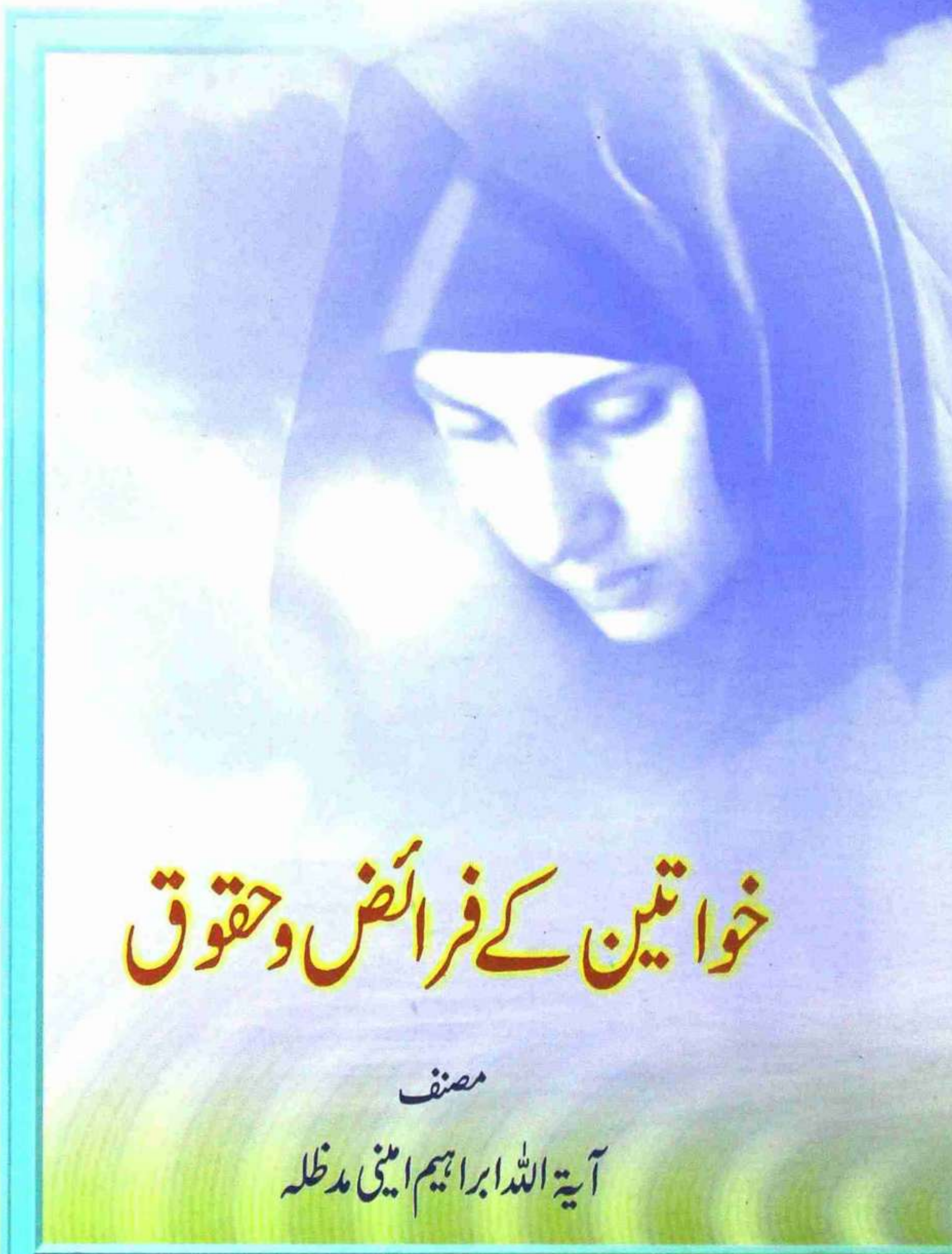

خواتین کے فرائض وحقوق

مصنف

آیۃ اللہ ابراہیم امینی مدظلہ

مترجم

سیدہ صبا زہرا زیدی

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar#2
KARACHI
PH. 7211795

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ACC No. 11103 Date 31510
Section خواتین Status
D.D. Class
NAJAFI BOOK LIBRARY

خواتین کے فرائض وحقوق

ترجمۂ کتاب:

آشنایی با وظایف وحقوق زن

NAJAFI BOOK LIBRARY
Shop No. 11
M.L. Heights
Soldier Bazar#2
KARACHI
PH. 7211795

مصنف

آیۃ اللہ ابراہیم امینی مدظلہ

مترجم

سیدہ صبا زہرا زیدی

سرشناسه: : امینی، ابراهیم، ۱۳۰۴ -
عنوان قراردادی : آشنایی با وظایف و حقوق زن. اردو.
عنوان و نام پدیدآور : خواتین کی فرائض و حقوق: ترجمه کتاب آشنایی با وظایف و حقوق زن / مصنف ابراهیم امینی؛ مترجم صبا زهرا زیدی.
مشخصات نشر: : تهران؛ انتشارات بین‌المللی الهدی، ۱۳۸۶.
مشخصات ظاهری: : ۲۳۲ ص.
شابک: : 978 - 964 - 439 - 294 - 8
وضعیت فهرست‌نویسی : فیپا
یادداشت : کتابنامه: ص. ۲۳۱.
موضوع : حقوق زن -- جنبه‌های مذهبی -- اسلام.
موضوع : زنان در اسلام.
شناسه افزوده : زهرا زیدی، صبا ، مترجم.
رده بندی کنگره : BP۲۳۰/۱۷۲/الف ۸۴ آ ۵۰۴۶ ۱۳۸۶
رده بندی دیویی : ۲۹۷/۴۸۳۱
شماره کتابشناسی ملی : ۱۱۲۷۷۲۱

انتشارات بین‌المللی الهدی
تهران ـ صندوق پستی: ۴۳۶۳ ـ ۱۴۱۵۵
تلفن: ۸۸۸۹۵۰۰۳ ـ ۸۸۸۹۷۶۶۱ فاکس: ۸۸۸۹۵۶۵۴

نام کتاب.....خواتین کے فرائض وحقوق
تحریر.....آیۃ اللہ ابراہیم امینی مدظلہ
تصحیح.....حجۃ الاسلام سید کمیل اصغر زیدی
ترجمہ.....سیدہ صبا زہرا زیدی
ناشر.....الہدی انٹرنیشنل پبلکشنز
تعداد.....۱۵۰۰
اشاعت اول.....سنہ ۱۴۳۰ھ سنہ ۲۰۰۹ء
شابک.....۹۷۸_۹۶۴_۴۳۹_۲۹۴_۸

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

انتساب

ان کنیزان حضرت زہراؑ، حضرت زینبؑ وام کلثومؑ

کے نام:

لبنان کی وادیوں میں جن کی لوریوں کے اثر نے
صہیونزم اور عالمی استکبار کے محلوں میں زلزلہ پیدا کر کے
دشمنان اسلام و تشیع کی نیندیں حرام کردی ہیں۔

گر قبول افتد...

مترجم

(۱۳ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ)

(اسرائیل کے خلاف حزب اللہ لبنان کی دلیرانہ مقاومت کے دوران)

فہرست

عرض مترجم.....۱۱

پہلا حصہ: اسلام میں خواتین کے فرائض وحقوق

اسلام میں خواتین کا مقام.....۱۵

خواتین اور آزادی.....۲۵

خواتین اور پردہ.....۳۵

پہلی آیت.....۳۵

دوسری آیت.....۴۰

تیسری آیت.....۴۱

محرم.....۴۳

پردہ کے حدود.....۴۴

پردہ کا فلسفہ.....۵۱

شادی اور اس کے فوائد.....۶۱

زوجہ اور شوہر کے ایک دوسرے پر حقوق.....۶۸

مشترک فرائض اور حقوق.....۷۰

زوجہ اور شوہر کے مخصوص فرائض.....۷۴

عورت کا مہر اور اس کا فلسفہ..... ۸۰
مہر کا فلسفہ..... ۸۴
نفقہ اور اس کا فلسفہ..... ۸۹
ایک اعتراض..... ۹۰
جواب..... ۹۰
سوال..... ۹۱
جواب..... ۹۱
اسلام میں عورت کی میراث..... ۹۵
سوال..... ۹۷
جواب..... ۹۷
اسلام میں چند بیویوں کی اجازت..... ۱۰۰
دوسری شادی کے شرائط..... ۱۰۵
اسلام میں طلاق کے احکام..... ۱۰۶
طلاق کا شرعی فلسفہ..... ۱۱۳

دوسرا حصہ: خواتین کے فرائض وحقوق

سوالات وجوابات کے آئینہ میں

اشارہ ۱۲۳
عورت اور مرد کے مشترکہ فرائض ۱۹۵
عورت اور مرد کے مشترکہ حقوق کیا ہیں؟..... ۱۹۵
۱۔ زندگی کا حق..... ۱۹۶
۲۔ حق آزادی..... ۱۹۶

۳۔خدا کی عطا کردہ نعمتوں سے استفادہ.....۱۹۶
۴۔علاج کروانے کا حق.....۱۹۷
۵۔کام کرنے کا حق.....۱۹۷
ایک پر شفقت یاد دہانی.....۱۹۸
۶۔ملکیت اور اپنے مال میں تصرف کا حق.....۱۹۹
۷۔امنیت کا حق.....۲۰۰
۸۔قانون زندگی کے سایہ میں قانون بنانے کا حق.....۲۰۱
۹۔ حکومت میں مشارکت کا حق.....۲۰۱
۱۰۔شوہر کے انتخاب کا حق.....۲۰۱
۱۱۔صاحب اولاد ہونے اور ان کی تربیت کا حق.....۲۰۲
۱۲۔سوچنے اور عقیدہ رکھنے کا حق.....۲۰۲
۱۳۔علم حاصل کرنے کا حق.....۲۰۵
۱۴۔روحی اور معنوی کمال حاصل کرنے کا حق.....۲۰۵
حضرت زہراؑ تمام خواتین کے لئے نمونہ عمل.....۲۱۱
حوالے.....۲۳۱

عرض مترجم

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس سے پہلے میں نے ایک بھی کتاب کا ایسا ترجمہ نہیں کیا کہ جس سے ترجمہ کا حق ادا ہو سکے کیونکہ کسی بھی زبان کو دوسری زبان میں منتقل کرنا اگر چہ بظاہر ایک آسان کام ہے مگر اس کے مشکلات کو وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس میدان میں قدم رکھا ہے البتہ حقیر نے یہ کوشش کی ہے کہ مصنف کی بات کو اردو میں منتقل کر کے قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

یوں تو ترجمہ کے لئے بہت زیادہ کتابیں موجود ہیں لیکن اس کتاب کے انتخاب کے وقت میرا مقصد یہ تھا کہ عورتوں کے متعلق کوئی ایسی کتاب پیش کر دی جائے جو ہر پہلو سے ان کے لئے مفید قرار پا سکے اور جس میں ان کے اکثر انفرادی، اجتماعی، سماجی اور سیاسی مسائل کا حل موجود ہو، چنانچہ اس کتاب میں اسلام کی نظر میں عورت کا مقام، پردہ، شوہر و بیوی کے حقوق وفرائض، عورت کا مہر اور اس کا فلسفہ، نفقہ اور اس کا فلسفہ، اسلام میں عورت کی میراث کا فلسفہ، جیسے اہم موضوعات کو نہایت سادگی کے ساتھ واضح کیا گیا ہے البتہ اس کتاب میں بعض باتوں کی معمولی تکرار ہوئی ہے جیسے: جن باتوں کو فصل اوّل میں بیان کیا گیا ہے ان ہی کو سوال و جواب کے حصہ میں بھی بیان کیا گیا ہے، یہ حصہ اگر چہ مفید اور کارآمد ہے لیکن بعض سوال ہمارے اردو معاشرہ کو مدنظر رکھتے ہوئے درج نہیں کئے جا

سکتے تھے کہ اس سے غلط نتیجہ نکالا جا سکتا ہے لہٰذا اس خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے مناسب یہی سمجھا گیا کہ ان کو حذف کر دیا جائے اگر چہ اب بھی اس میں بعض باتیں رہ گئی ہیں جن کا تعلق ایرانی سماج سے ہے لہٰذا اردو قارئین ان کا مطالعہ اسی بات کو مدنظر رکھ کر کریں۔

ترجمہ کے علاوہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ تمام حوالوں کو ایک بار اصل کتابوں سے ملا لیا جائے چنانچہ جو حوالے یا آیتوں کے نمبر کتاب میں غلط درج ہو گئے تھے ان کی اصلاح کر دی گئی ہے امید ہے کہ یہ کتاب خواتین کے مسائل کے بارے میں علمی طبقہ اور عوام دونوں کے درمیان پسند کی جائے گی کیونکہ یہ آیت اللہ ابراہیم امینی مدظلہ کی تازہ ترین کتاب ہے اور خواتین، نوجوانوں اور جوانوں نیز سماجی مسائل پر آپ کی کتابیں ایران اور بیرون ایران ہر جگہ داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

اس ترجمہ میں میرے شوہر محترم حجۃ الاسلام والمسلمین جناب سید کمیل اصغر صاحب نے اپنے قیمتی مشوروں سے نواز کر میری رہنمائی فرمائی ہے اور اس کتاب کے ترجمہ میں مجھے بیحد سہارا دیا ہے نیز اس کی تصحیح کی زحمت گوارا فرمائی ہے۔

اسی طرح میں جامعۃ الزہراؑ (ایران) کے ذمہ دار حضرات کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتی ہوں جن کی زحمتوں کے باعث میری یہ کاوش صفحۂ قرطاس پر آئی ہے۔

ربِّ کریم سے دعا ہے کہ امام زمانہ (عج) کے صدقہ میں اس حقیر کاوش کو قبولیت سے نوازے۔ آمین

سیدہ صباز ہرا زیدی

۱۳ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

حوزۂ علمیہ قم، ایران

پہلا حصہ

اسلام میں خواتین کے فرائض وحقوق

اسلام میں خواتین کا مقام

اسلام کی نگاہ میں عورت کا وہی مقام ہے جو ایک انسان کا مرتبہ ہے کیونکہ عورت اور مرد کے درمیان انسان ہونے کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے اگر انسان کو قرآن میں خلیفۃ اللہ کہا گیا ہے اور اسے شرف بخشا گیا ہے:

''اور ہم نے بنی آدم کو کرامت عطا کی ہے اور انہیں خشکی اور دریاؤں میں سواریوں پر اٹھایا ہے اور انہیں پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سوں پر فضیلت دی ہے۔''(۱)

اور اگر جناب آدم اس مقام تک پہنچ گئے کہ فرشتوں نے ان کا سجدہ کیا۔

'' پھر جب مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح حیات پھونک دوں تو سب کے سب سجدے میں گر پڑنا''۔(۲)

.....

(۱) اسراء(۱۷) آیت ۷۰ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا.

(۲) حجر(۱۵) آیت ۲۹ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ.

تو یہ تمام فضیلتیں اس وجہ سے تھیں کہ آپ ایک انسان تھے جیسا کہ قرآن کریم نے جناب آدم کے بارے میں فرمایا ہے:

اور خدا نے آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی اور پھر ان سب کو ملائکہ کے سامنے پیش کر کے فرمایا: ''کہ ذرا تم ان سب کے نام تو بتاؤ اگر تم اپنے خیالی استحقاق میں سچے ہو، ارشاد ہوا کہ آدم اب تم انہیں باخبر کر دو تو جب آدم نے باخبر کر دیا تو خدا نے فرمایا کہ میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں آسمان وزمین کے غیب کو جانتا ہوں اور جو کچھ تم چھپاتے ہو یا آشکار کرتے ہو سب کو جانتا ہوں۔''(۱)

اگر حضرت آدم نے اسمائے الٰہیہ کو سمجھا اور ان کے بارے میں جواب دیا تو یہ در حقیقت ان کی ایک فطری صفت تھی جو تمام انسانوں میں پائی جاتی ہے اور اس صفت میں عورت اور مرد دونوں برابر ہیں مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو بھی تعریف انسانوں کے بارے میں قرآن واحادیث میں بیان ہوئی ہے اس میں عورت اور مرد ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں ملتی کہ جس میں عورت کی مذمت اس کی نسوانیت کی وجہ سے کی گئی ہو، اس بنا پر عورت اور مرد دونوں ہی قرآن کی نگاہ میں انسان ہیں اور دونوں کے مقام اور منزلت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

---

(۱) بقرہ (۲) آیت ۳۱:۳۳ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ (۳۱) قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (۳۲) قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنتُمْ تَكْتُمُونَ.

اور دنیا کے نظام کو چلانے کے لئے دونوں کی مشترک ذمہ داریاں ہیں ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

۱) عورت اور مرد دونوں برابر سے اپنی اولاد کی پیدائش اور انسانی نسل کی بقاء اور اسے آگے بڑھانے کا ذریعہ ہیں، جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:

''انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دئے ہیں تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو بیشک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا اور ہر بات سے باخبر ہے۔''(۱)

اسی طرح ایک دوسری جگہ فرماتا ہے:

''انسانو! اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک نفس سے خلق کیا ہے اور اس کا جوڑا بھی اس کی جنس سے پیدا کیا ہے اور پھر دونوں سے با کثرت مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دئے ہیں اور اس خدا سے بھی ڈرو جس کے ذریعہ ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت داروں کی بے تعلقی سے بھی، اللہ تم سب کے اعمال کا نگراں ہے۔''(۲)

گزشتہ آیات میں مرد اور عورت کو سماج کے اہم رکن کے عنوان سے پہچنوایا گیا ہے اور تقویٰ کی پابندی کرنے کو ہی مرد اور عورت کی فضیلت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

---

(۱) حجرات (۴۹) آیت ۱۳ : يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِير.

(۲) نساء (۴) آیت ۱ : يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمْ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا.

۲) قرآن نے صرف خدا پر ایمان رکھنے اپنے نفس کو برائی سے دور رکھنے اور تقویٰ کی رعایت نیز عمل صالح انجام دینے کو ہی انسان کی سعادت کا راستہ قرار دیا ہے اس لحاظ سے مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا بلکہ دونوں کو معنوی ترقی حاصل کرنے اور قرب الٰہی کی منزل تک پہنچنے کے لائق سمجھا ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

"جو شخص بھی نیک عمل کرے گا وہ مرد ہو یا عورت بشرطہ کہ صاحب ایمان ہو ہم اسے پاکیزہ حیات عطا کریں گے اور انہیں ان اعمال سے بہتر جزا دیں گے جو وہ زندگی میں انجام دے رہے تھے۔"(۱)

اسی طرح فرماتا ہے:

پس خدا نے ان کی دعا کو قبول کیا کہ میں تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا۔(۲)

قرآن مجید نے صالح مردوں اور عورتوں کی تعریف ایک ہی انداز سے کی ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

"بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور اطاعت گذار مرد اور اطاعت گذار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صابر مرد اور صابرہ

---

(۱) نحل (۱۶) آیت ۹۷: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

(۲) آل عمران: آیت ۱۹۵: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ

عورتیں اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی عفت کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور خدا کا باکثرت ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں، اللہ نے ان سب کے لئے مغفرت اور عظیم اجر مہیا کر رکھا ہے۔''(۱)

قرآن نے مردوں کی طرح تاریخ کی لائق عورتوں کی طرف اشارہ کیا اور انہیں قابل تعریف قرار دیا ہے مثال کے طور پر حضرت مریم کے بارے میں یہ فرمایا ہے:

''تو خدا نے اسے بہترین انداز سے قبول کر لیا اور اس کی بہترین نشو ونما کا انتظام فرما دیا اور زکریا نے اس کی کفالت کی کہ جب زکریا محراب عبادت میں داخل ہوتے تو مریم کے پاس رزق دیکھتے اور پوچھتے کہ یہ کہاں سے آیا اور مریم جواب دیتیں کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہے وہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا کرتا ہے۔''(۲)

اور اسی طرح دوسری جگہ پر فرماتا ہے:

''اور اس وقت کو یاد کرو جب ملائکہ نے مریم کو آواز دی کہ خدا نے تمھیں چن لیا ہے

---

(۱) احزاب (۳۳) آیت ۳۵: إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا.

(۲) آل عمران (۳) آیت ۳۷: فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَامَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ.

اور پاکیزہ بنادیا ہے اور عالمین کی عورتوں میں منتخب قرار دیدیا ہے۔''(۱)

نیز خداوند عالم زوجۂ فرعون جناب آسیہ کے بارے میں فرماتا ہے:

''اور خدا نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی زوجہ کی مثال پیش کی ہے کہ اس نے دعا کی کہ پروردگار میرے لئے جنت میں ایک گھر بنادے اور مجھے فرعون اور اس کے کاروبار سے نجات دلادے اور اس پوری ظالم قوم سے نجات عطا کردے۔''(۲)

پیغمبر اکرمؐ کی عظیم المرتبت بیٹی جناب فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) بھی انہیں ممتاز خواتین میں شامل ہیں آپ کے والد گرامی اور بیٹوں، شوہر نیز آپ کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی ہے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

''بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہلبیت کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک وپاکیزہ رکھے جو پاک وپاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔''(۳)

رسول خداؐ ان عورتوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

''جنت کی بلند مرتبہ عورتیں چار ہیں: مریم بنت جناب عمران، فاطمہؑ بنت محمدؐ، خدیجہ بنت خویلد، آسیہ بنت مزاحم (زوجہ فرعون)۔''(۴)

.....

(۱) گذشتہ حوالہ آیت ۴۲ : وَإِذْ قَالَتْ الْمَلاَئِكَةُ يَامَرْيَمُ إِنَّ اللهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ.

(۲) تحریم (۶۶) آیت ۱۱ : وضرب الله مثلاللذين آمنوا امرات فرعون اذ قالت رب ابن لی عندک بيتا فی الجنه ونجنی من فرعون وعمله ونجنی من القوم الظالمين.

(۳) احزاب (۳۳) آیت ۳۳ : انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا.

(۴) کشف الغمہ ج ۲ صفحہ ۷۶: قال النبیؐ سيدات اهل الجنه اربع مريم بنت عمران وفاطمه بنت محمدؐ وخديجه بنت خويلد وآسيه بنت مزاحم امراة فرعون.

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قرآن نے عورت ہونے کو ترقی اور کمال تک پہنچنے اور فضیلت کے حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹ قرار نہیں دیا ہے بلکہ ان کو بھی مردوں کی طرح کسب فضائل کے لائق سمجھا ہے۔

البتہ اگر قرآن میں بعض عورتوں کی مذمت ہوئی ہے جیسے پیغمبر خدا جناب نوح اور لوط کی بیویاں اور زوجہ ابولہب (۱) تو اسی طرح بعض مردوں کی بداعمالیوں کی بنا پر قرآن نے ان کی بھی مذمت کی ہے جیسے فرعون، نمرود اور ابولہب۔

۳) اسلام نے عورت اور مرد کو سماج کے دو ستون قرار دیا ہے کہ معاشرہ کی تشکیل اور اس کے نظام کو چلانے نیز اس سے فایدہ اٹھانے میں ایک جیسا کردار ادا کرتے ہیں عورت اور مرد دونوں ہی سماج میں ایک ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں نیک سماج کے اچھے نتیجوں اور برے سماج کے غلط نتیجوں کا بھی ایک ساتھ سامنا کرتے ہیں اس بنا پر سماج اور معاشرہ کو صحیح طریقہ سے چلانا اور اس کی اصلاح کرنا بھی عورت اور مرد دونوں کا باہمی فریضہ ہے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

''مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں سب ایک دوسرے کے ولی اور مددگار ہیں یہ سب ایک دوسرے کو نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب خدا رحمت نازل کرے گا کہ وہ ہر شی پر غالب اور صاحب حکمت ہے۔'' (۲)

---

(۱) تحریم (٦٦) آیت ۱۰ اور سورۂ مسد.

(۲) توبہ (۹) آیت ۷۱: وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ إِنَّ اللهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ.

یہ صحیح ہے کہ اسلام نے میدان جنگ میں دشمن سے جہاد کو عورتوں پر واجب نہیں کیا ہے لیکن دوسری سماجی ذمہ داریاں عورتوں سے ساقط نہیں ہوئی ہیں امر بہ معروف، نہی از منکر، دین اور دینی مقدسات کی حفاظت، اسلام کی تبلیغ وترویج، ظلم وجور سے مقابلہ، محروموں اور مظلوموں کے حقوق کی حفاظت، نیک کاموں میں مدد، فقیروں اور نیاز مندوں کی مدد، بیماروں، اپاہجوں اور بوڑھوں کی عیادت اور ان کی دیکھ بھال، سماجی اور اخلاقی برائیوں سے مقابلہ، بچوں کی صحیح تربیت، عادلانہ اسلامی حکومت کا استحکام، اسلام کے اصولوں کا دفاع، خاندان اور ملک کی مالی ضروریات کو پورا کرنے میں مدد کرنا اور بہت سی اسی طرح کی دسیوں مشترکہ ذمہ داریاں ہیں جو عورت اور مرد دونوں پر ایک ساتھ عائد کی گئی ہیں۔

۴) عورت اور مرد کا ایک اور مشترکہ فریضہ علم حاصل کرنا اور دنیا کے اسرار ورموز کا انکشاف ہے اور اس کے ذریعہ ان چیزوں کی ایجاد کرنا جو انسانی زندگی میں سکون واطمینان کا ذریعہ ہیں عورت اور مرد دونوں ہی انسان ہیں اور دونوں میں کچھ نہ کچھ لیاقتیں اور ذمہ داریاں ہیں اسلام نے علم حاصل کرنے کے بارے میں بہت زیادہ تاکید کی ہے اور اس کو ایک فریضہ قرار دیا ہے۔

امام صادقؑ نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے، جان لو کہ خدا علم حاصل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔" (۱)

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:

(۱) کافی ج۱، ص۳۰: عن ابی عبد اللہؑ قال: (قال رسول اللہؐ) طلب العلم فریضة علیٰ کل مسلم الا ان اللہ یحب بغاة العلم

''وہ عالم کہ جو اپنے علم سے فائدہ اٹھائے وہ ستّر ہزار عابدوں سے بہتر ہے۔''(۱)

اور اسی قسم کی دسیوں بلکہ سینکڑوں دوسری حدیثیں بھی بیان ہوئی ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں بلکہ ایک مسلمان ہونے کی بنا پر عورتوں کا بھی یہ فریضہ ہے کہ علم حاصل کرنے کی کوشش کریں تا کہ خود کفائی کی منزل تک پہنچ جائیں خاص طور سے وہ علوم جن کی عورتوں کو براہ راست ضرورت ہے جیسے: ڈاکٹری، دانتوں کی ڈاکٹری، ماہر علم نفسیات، دوائیں بنانا، نرس، دائی، تجربی علوم، تعلیم وتربیت، علم نفسیات، علم حیاتیات کیمیا، مدیریت، حسابداری، اسلام شناسی، تفسیر، عقائد، فقہ، تاریخ، ادبیات، مختلف فن، زبان، حقوق، اقتصاد وغیرہ۔

عورتیں تقریباً معاشرہ کا آدھا حصہ ہیں اور اس کے چلانے میں برابر کی شریک ہیں اسی وجہ سے وہ شعبے جو کامل طور سے عورتوں سے تعلق رکھتے ہیں ان میں بھی کچھ عورتیں ایسی ہونی چاہئیں جو ان علوم میں کافی مہارت رکھتی ہوں اور ان کی تعداد مردوں کے برابر ہوتا کہ وہ ان شعبوں میں خود کفائی کی منزل تک پہنچ جائیں ضروری ہے آدھے اسپتال، شفاخانے، کلینک، یونیورسٹیاں، کالج، اسکول، دواسازی، آزمائش گاہیں، دینی مدارس، تربیت مبلغین اور اسلام کی تبلیغ کے مراکز، عورتوں سے مخصوص ہوں اسی طرح تمام زچہ خانے عورتوں سے مخصوص ہوں اور جس تعداد میں فی الحال ان کے اندر ماہر اور تجربہ کار مرد ڈاکٹروں کی تعداد ہے، عورتوں کی تعداد بھی اتنی ہی ہو مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے۔

مذکورہ تعداد کی کمی اور فرق کی دو علتیں ہو سکتی ہیں:

---

(۱) گذشتہ حوالہ ص ۳۳ :عالم ینتفع بعلمه افضل من سبعین الف عابد.

۱۔ یہ کہ پوری تاریخ میں مردوں کی خودخواہی، خود بینی، اور ناانصافی نے عورتوں کو خود کفائی حاصل کرنے میں ان کے جائز حقوق سے دور رکھ کر انہیں اپنا محتاج بنائے رکھا۔

۲۔ عورتوں کی کوتاہی، اپنی اہمیت سے ناواقفیت، آرام پسندی، زینت اور آرائش کے شوق نے انہیں اپنے حقوق حاصل کرنے کے صحیح راستہ پر نہیں چلنے دیا اور نتیجتاً وہ غلط راستہ پر لگ گئیں، لہٰذا عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں اور اپنے کردار کی اہمیت کو سمجھیں اور استقلال وخود کفائی نیز اپنے جائز حقوق حاصل کرنے کی کوشش کریں اور یہ دھیان رکھیں کہ اس طرح غلط راستہ پر نہ چل پڑیں کہ جس طرح مغربی عورتیں غلط راستوں پر چل رہی ہیں۔

خواتین اور آزادی

عورت بھی مرد کی طرح آزاد پیدا کی گئی ہے اور وہ یہی چاہتی ہے کہ دوسروں کی دخل اندازی کے بغیر زندگی بسر کرے۔ آزادی کی طرف رغبت اور رجحان ایک فطری اور جائز جذبہ ہے لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ ہر انسان معاشرہ میں بالکل آزاد زندگی گذار سکے۔

ہر انسان دوسرے انسانوں کا محتاج ہے اور اس پر دوسروں کے حقوق اور مطالبات کا احترام کرنا اور انہیں پورا کرنا ضروری ہے اور اپنی آزادی کو سماجی قاعدہ اور قانون کے دائرہ میں محدود کردے اور یہ حد بندیاں انسان کے لئے نقصان دہ نہیں ہیں بلکہ اس کے لئے مفید ہیں اور کبھی کبھی تو آزاد زندگی گذارنا اور اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا انسان کے لئے نقصان دہ ہو جاتا ہے لہٰذا، ایسی جگہوں پر حد بندیوں کو قبول کرنا ضروری ہے کیونکہ اسی میں انسان کی بھلائی ہے۔

اسلام اگر چہ انسان کی آزادی کو محترم قرار دیتا ہے لیکن مطلقاً آزادی کو نہ ممکن جانتا ہے اور نہ ہی اسے انسان کی انفرادی اور اجتماعی بھلائی سے ہماہنگ قرار دیتا ہے اسی بنا پر اس نے انسانوں کی جسمانی اور نفسانی، دنیاوی اور اخروی، انفرادی اور اجتماعی مصلحتوں کے

مطابق شرعی احکام اور قوانین بنائے ہیں اور ان کی آزادی کو محدود قرار دے دیا ہے، ممکن ہے بہت سی حد بندیاں انسان کے ذوق کے مطابق نہ ہوں اور وہ انہیں اپنی آزادی کا مخالف سمجھے لیکن اس کا یہ فیصلہ اپنی حقیقی مصلحت سے ناواقفیت کی بنا پر ہے اگر انسان اپنی زندگی کی حقیقی مصلحت سے واقف ہوتا تو وہ شرعی حد بندیوں کو اپنی آزادی سلب کئے جانے کا سبب نہ سمجھتا اور خوشی خوشی اسے قبول کر لیتا۔

عورتوں کی آزادی کی صورتحال بھی بالکل یہی ہے اسلام عورتوں کی آزادی کا احترام کرتا ہے اور اپنے بنائے ہوئے قوانین میں بھی اس کا خیال رکھتا ہے (بشرطیکہ یہ آزادی اس کے اور معاشرہ کے دوسرے افراد کی حقیقی مصلحتوں کے خلاف نہ ہو) لیکن جس جگہ آزادی اس کی حقیقی مصلحتوں کے مطابق نہ ہو تو وہاں قانونی حد بندیوں کو آزادی پر ترجیح دیتا ہے۔

یہاں پر ہم اختصار کے ساتھ عورتوں کی کچھ آزادیوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

۱۔ کام کرنے میں آزادی: جس طرح پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اسلام نے عورت کو سماج کے دو اہم ارکان میں سے ایک رکن قرار دیا ہے اور اس کے کاندھوں پر بھی کچھ ذمہ داریاں رکھی ہیں عورت کے لئے ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لئے یہ مناسب ہے کہ اسے ایک مفلوج عضو یا ایک بے کار اور بے مصرف بنا دیا جائے۔ اسلام نے کام کرنے کو ایک فریضہ اور بہترین عبادت قرار دیا ہے اور اپنے پیروکاروں کو بے کاری، سستی، کاہلی اور بے مصرف ہونے سے بچنے کے لئے کہا ہے اس موضوع کے بارے میں بہت سی حدیثیں پائی جاتی ہیں۔ ہم بطور نمونہ بعض کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

رسولؐ خدا نے فرمایا:

''عبادت کے ستر جزء ہیں اور حلال روزی حاصل کرنا اس کا بہترین جز ہے''۔(۱)

امام موسیٰ کاظمؑ فرمایا کرتے تھے:

''خداوند عالم زیادہ سونے والے اور بے کار انسان سے نفرت کرتا ہے۔''(۲)

کام کرنا اسلام کی نگاہ میں ایک حق نہیں بلکہ ایک فریضہ ہے. نیز عورت اور مرد کے درمیان اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے. عورت کے لئے ضروری ہے کہ اجتماعی کاموں میں اپنا فریضہ ادا کرے .وہ مشغلہ کے انتخاب میں آزاد ہے .لیکن فطری اعتبار سے نیز اس کی جسمانی و روحانی ساخت کی وجہ سے ہر کام کا انتخاب کرنا اس کی اور سماج کے دوسرے لوگوں کی شان اور عورت کی صلاحیت کے مطابق نہیں ہے .وہ ایک نرم و نازک اور خوبصورت مخلوق ہے اور اس کی یہی نرمی و نزاکت ہی مردوں کے لئے جاذب نظر اور پر کشش ہوتی ہے .لہٰذا کوئی بھی کام انتخاب کرتے وقت اس بات کی کوشش کرے کہ اس نزاکت و خوبصورتی کو کوئی ضرر نہ پہنچے .اسی لئے بھاری بھرکم سخت اور تھکا دینے والے کام عورتوں کے حق میں بہتر نہیں ہیں .جیسے ٹرک وغیرہ کی ڈرائیوری، راتوں میں کام کرنا، کانوں میں کام کرنا، لوہا بنانے والی فیکٹری کا کام، سمنٹ فیکٹری میں کام کرنا، گاڑی بنانے والے کارخانہ میں کام کرنا، کھیتی باڑی، چوپائے پالنا وغیرہ ایسے کام عام طور سے عورتوں کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں اور ان سے ان کی خوبصورتی نرمی، نزاکت اور کشش کے لئے خطرہ پیدا ہوتا ہے جو نہ عورتوں کے حق میں فائدہ مند ہیں اور نہ ہی ان کے شوہروں کے حق میں مفید ہیں۔

---

(۱) کافی ج۵ص۷۸: قال رسول اللہؐ : العبادة سبعون جز افضلها طلب الحلال.

(۲) کافی: ج۵،ص۸۴: بشیر الدهان قال سمعت ابالحسن موسیٰؑ یقول: ان الله عزو جل یبغض العبد النوام الفارغ.

اسی بنا پر اسلام مردوں کو یہ تاکید کرتا ہے کہ وہ عورتوں کو سخت کاموں کے لئے مجبور نہ کریں۔

امیر المومنینؑ نے اپنے بیٹے امام حسنؑ سے فرمایا:

''عورتوں کو ان کاموں کے انجام دینے پر مجبور نہ کرو جو ان کی طاقت سے باہر ہیں کیونکہ یہی ان کے لئے بہتر ہے نیز یہ ان کے قلبی سکون کا باعث ہے اور ان کے چین وسکون اور خوبصورتی کی حفاظت کا سبب ہے عورت ایک پہلوان نہیں بلکہ نازک پھول ہے۔''(۱)

دوسری اہم بحث یہ ہے کہ عورت کی نزاکت وخوبصورتی اور کشش، جنسی محرکات کے مقابلہ میں اکثر مردوں کی ناتوانی کی طرح ایک فطری چیز ہے۔

اسی بنا پر عورتوں کی بھلائی اور ان کے حق میں یہ بات مفید ہے نیز سماجی مصلحتوں کا تقاضا بھی یہی ہے کہ وہ ایسے کاموں کا انتخاب کریں کہ نامحرم افراد سے ان کا رابطہ کم سے کم رہے، تاکہ ان احتمالی خطروں سے محفوظ رہ سکیں جو ان کے ایمان اور آبرو کے لئے مضر ہیں اور سماج کی سلامتی اور پاکیزگی نیز جوانوں اور غیر شادی شدہ مردوں کے پاک وپاکیزہ رہنے میں مدد کرسکیں۔

اس اہم نکتہ پر توجہ کرنا بھی ضروری ہے کہ عورت ایک جذباتی مخلوق ہے لہٰذا عام طور سے مردوں کے بالمقابل دوسروں کے احساس اس پر جلدی اثر انداز ہوجاتے ہیں۔

---

(۱) وسائل الشیعہ: ج۲۰، ص۱۶۸: فی رسالة امیر المومنینؑ الی الحسنؑ قال: لا تملک المرأة من الامر ما یجاوز نفسها، فان ذالک انعم بحالها، وارخی لبالها، وادوم لجمالها، فان المرأة ریحانة ولیست بقهرمانة.

اسی وجہ سے وہ کام انجام دینا جن میں عزم محکم اور تند مزاجی کی ضرورت ہوتی ہے وہ عورت اور معاشرہ کے حق میں نہیں ہیں جیسے: پلیس، فوجی، یا قضاوت کے عہدے۔

آخری نکتہ جس کی طرف کام کے انتخاب میں عورتوں کی توجہ ہونا چاہئے وہ یہ کہ کام کے ساتھ ساتھ اس بات کا لحاظ رکھیں کہ بچوں کی حفاظت اور گھر کی دیکھ بھال میں کمی نہ آنے پائے اگر عورت شادی شدہ اور صاحب اولاد ہے تو اس بات کی طرف توجہ رکھے کہ اس کے کاندھوں پر ایک بہت اہم ذمہ داری بھی ہے اور وہ شوہر کے متعلق اس کے فرائض اور اولاد کی صحیح تربیت کرنا ہے کہ یہ ذمہ داری مخصوص انداز خلقت نے اس کے اوپر ڈال رکھی ہے یہ بات صحیح ہے کہ وہ کام کے انتخاب کرنے میں آزاد ہے. لیکن اسے چاہئے کہ ان کاموں کا انتخاب کرے کہ جو اس کے گھرانے کی بنیادوں کو متزلزل اور بچوں کو ماں کی مامتا اور صحیح تربیت سے محروم نہ کریں۔

ایسے حالات کا اصل دارومدار باہمی تفاہم کے اوپر ہے اور مردوں کو بھی چاہیے کہ بیجا غیرت، تکبر، خود خواہی اور حاکمانہ مزاج کو اپنے سے دور رکھیں اور اپنے گھرانہ کی مصلحتوں کو مدنظر رکھ کر انصاف کے ساتھ عورتوں کو اس بات کی اجازت دیں کہ وہ مناسب کام کو اپنا مشغلہ بنالیں۔

۲۔ مالکیت میں آزادی: اسلام نے عورتوں کی مالکیت کو مردوں کی طرح محترم قرار دیا ہے۔ عورت تجارت اور دفتری کام، مہر، ہبہ یا دوسرے جائز راستوں سے دولت حاصل کر کے ان کی مالک بن سکتی ہے. اور اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہے. اور کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے مال کو خرچ کرے. یہاں تک کہ ماں۔ باپ، شوہر اور اولاد کو بھی اس بات کی اجازت نہیں ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:(۱)

''اور خبردار جو خدا نے بعض افراد کو بعض سے کچھ زیادہ دیا ہے. اس کی تمنا اور آرزو نہ کرنا. مردوں کے لئے وہ حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے اور عورتوں کے لئے وہ حصہ ہے جو انہوں نے حاصل کیا ہے اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو کہ وہ بیشک ہر شے کا جاننے والا ہے۔''

۳۔شادی بیاہ میں آزادی: عورت، مرد کی طرح اپنے لئے شوہر کے انتخاب اور اپنی شادی میں بالکل آزاد ہے. بالغ لڑکی کی شادی اس کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ عورت کو شادی یا کسی خاص شخص سے شادی کرنے پر مجبور کرے یہاں تک کہ ماں، باپ، دادا، اور بھائی بھی ایسا نہیں کر سکتے ہیں۔

امام صادقؑ نے فرمایا:

دوشیزہ اور غیر دوشیزہ لڑکی کی شادی کیلئے اس سے اجازت لو اور اس کی اجازت کے بغیر اس کی شادی کرنا صحیح نہیں ہے۔(۲)

ایک شخص اپنی بہن کی شادی کرنے والا تھا امام صادقؑ نے اس سے یہ فرمایا:

''ضروری ہے کہ خود عورت سے اجازت لی جائے، اور اگر وہ جواب میں خاموش

---

(۱) نساء (۴) آیت ۳۲ :وَلاَتَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللهَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا.

(۲) حر عاملی، وسائل الشیعہ: ج ۲۰، ص ۲۸۴: منصور بن حازم، عن ابی عبد اللہؑ قال: تستامر البکر وغیرھا ولا تنکح الا بامرھا.

رہے تو اس کی خاموشی اجازت ہے. لیکن بہر حال اس کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہے۔''(۱)

اس بنا پر شادی کے صحیح ہونے میں عورت کی اجازت لینا ضروری ہے چاہے وہ دوشیزہ ہو یا نہ ہو۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا شادی کے صحیح ہونے کے لئے عورت کی اجازت کے علاوہ اس کے باپ دادا کی بھی اجازت ضروری ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں چند پہلو ہیں: اس صورت میں کہ جب عورت باکرہ نہ ہو تو باپ یا دادا کی اجازت ضروری نہیں ہے بلکہ وہ مستقل مزاجی سے اس بارے میں خود فیصلہ کر سکتی ہے اور حدیثوں میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔

امام صادقؑ نے غیر باکرہ کی شادی کے بارے میں یہ فرمایا ہے:

''وہ اپنے اوپر دوسرے لوگوں سے زیادہ صاحب اختیار ہے. اور اگر وہ پہلے شادی کر چکی ہے (اگر اس کی شان کے مطابق ہو) تو جسے چاہے دوسری شادی کے لئے انتخاب کر سکتی ہے۔''(۲)

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا:

---

(۱) گذشتہ حوالہ: ص۲۰، ص۲۷۴: داود بن سرحان: عن ابی عبد اللہؑ: فی رجل یرید ان یزوج اخته، قال یوامرها، فان سکتت فهوا قرارها، ولاتنکح الابامرها.

(۲) گذشتہ حوالہ: ج۲، ص۲۶۹: حلبی عن ابی عبد اللہؑ قال: فی المرأة الثیب تخطب الی نفسها قال: هی املک بنفسها، تولی امرها من شاء ت اذا کان کفواً بعد ان تکون قد نکحت رجلاً قبله.

''وہ عورت جو کہ غیر باکرہ ہے باپ کی اجازت کے بغیر شادی کر سکتی ہے اس صورت میں کہ اس کے کام میں کوئی برائی نہ ہو۔''(۱)

لیکن اگر لڑکی باکرہ ہو تو اکثر فقہاء کے فتوے کے مطابق اس کی شادی کے لئے باپ یا دادا کی اجازت ضروری ہے. جن کے لئے متعدد حدیثیں بطور دلیل موجود ہیں جیسے:

امام صادقؑ نے فرمایا:

''باکرہ لڑکی کہ جس کا باپ موجود ہے وہ اس کی اجازت کے بغیر شادی نہیں کر سکتی۔''(۲)

شوہر کے انتخاب میں باکرہ لڑکی کی آزادی فقط اسی موقع پر باپ اور دادا کی اجازت کی پابند کر دی گئی ہے لیکن یہ پابندی اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے بلکہ زیادہ تر اس کی بھلائی اسی میں ہے کیونکہ باکرہ لڑکی نے اس سے پہلے شادی نہیں کی ہے اور اسے اس بارے میں کوئی تجربہ نہیں ہے. اور شرم وحیاء کی بنا پر عین ممکن ہے کہ وہ جس سے شادی کرنا چاہتی ہے اس کے بارے میں مکمل طریقہ سے تحقیق نہ کر سکے. لہٰذا وہ ایک خیر خواہ مشاور کی محتاج ہے کہ جو مہربان اور تجربہ کار بھی ہو، تا کہ اس کی رہنمائی سے فائدہ اٹھائے اور باپ، دادا وہ بہترین افراد ہیں کہ جو اس تقدیر ساز مرحلہ میں اپنی بیٹی کی مدد کر سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ باپ اور دادا سے مشورہ لینے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ والد کا احترام بھی

---

(۱) گذشتہ حوالہ ج ۲۰، ص ۲۷۲: عن ابی عبد اللهؑ قال: لا باس ان تزوج المرأة نفسها اذا كانت ثيباً بغير اذن ابيها اذا كان لا باس بما صنعت.

(۲) گذشتہ حوالہ ج ۲۰، ص ۲۷۰: ابو مریم، عن ابی عبد اللهؑ قال: الجارية البكر التی لها اب لا تتزوج الا باذن ابيها.

باقی رہتا ہے اور رضایت و مدد بھی شامل رہتی ہے. بیشک یہ کام رشتہ داری کے رابطہ کے استحکام کے ساتھ لڑکی اور اس کے شوہر کی آئندہ زندگی اور احتمالی مشکلات کو حل کرنے کے لئے بہت زیادہ موثر ہے۔

یہاں پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ باپ کی اجازت لینے سے مندرجہ ذیل مقامات مستثنیٰ ہیں۔

۱) اس جگہ پر کہ جہاں باپ اور دادا تک رسائی ممکن نہ ہو کہ ان سے اجازت لے سکیں۔

۲) اس وقت کہ جب لڑکی کو شادی کرنے کی ضرورت ہو اور مناسب لڑکے اس سے شادی کرنا چاہیں لیکن باپ بلاوجہ بہانہ بازی کرتا ہو اور سب کو منفی جواب دے دیتا ہو۔

فقہاء نے ان دو مواقع پر لڑکی کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے باپ کی اجازت کے بغیر اپنے پسندیدہ (کفو) شخص سے شادی کر لے۔

۴۔ تعلیم حاصل کرنے میں آزادی: اگر عورت شوہر دار نہیں ہے تو تعلیم حاصل کر سکتی ہے اور کوئی بھی اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ اس کی تعلیم میں رکاوٹ پیدا کرے. لیکن اگر شادی شدہ ہے اور اس کا شوہر موجود ہے. تو اسے چاہئے کہ شوہر اور اولاد کے حق کو ادا کرے .اور اپنی تعلیم کو آگے بڑھانے کے لئے اپنے شوہر سے مشورہ کرے اور اس کے حقوق کا بھی خیال رکھے، نیز اس کے ساتھ مفاہمت قائم رکھے۔

۵۔ گھر کے انتخاب میں آزادی: عورت اگر شوہر دار نہیں ہے تو گھر کے انتخاب میں کاملاً آزاد ہے. لیکن اگر شوہر دار ہے تو گھر کے انتخاب اور محل سکونت کے لئے شوہر کا کہنا مانے۔ گھر مہیا کرنا مرد کی ذمہ داری اور اس کے اختیارات میں سے ہے البتہ گھر اس کے

اہل خانہ کی شان ومنزلت اور مرد کی مالی قدرت کے مطابق ہو. اور اس میں رہنے والوں کو مناسب سکون وآرام فراہم ہو سکے۔ اگر بالفرض وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ رہتا ہے لیکن عورت اپنے آرام وسکون کے لئے اس سے الگ گھر کا تقاضا کرے اور مرد کے لئے یہ مطالبہ پورا کرنا ممکن ہو تو عورت کی خواہش کو قبول کرے. اسی طرح اگر ان کا گھر چھوٹا ہو، یا اس جگہ پر زحمت ہوتی ہو اور عورت گھر بدلنے کا تقاضا کرے، اور مرد کے لئے ممکن ہو تو ضروری ہے اس کی خواہش کے مطابق عمل کرے۔

کیونکہ یہ تمام چیزیں اچھے رہن سہن اور حسن معاشرت کی مصداق ہیں۔

خداوند عالم قرآن میں فرماتا ہے:

''اور ان کے ساتھ اچھے انداز سے معاشرت کرو۔''(۱)

اسی طرح دوسری جگہ پر فرماتا ہے:

''اور انہیں اذیت مت دو اور نہ اس طرح ان پر تنگی کرو۔''(۲)

اگر چہ گھر کا انتخاب مرد کے اختیار میں ہے. لیکن عورت عقد کے وقت کسی مخصوص جگہ رہنے کی درخواست کر سکتی ہے. یا یہ کہ گھر کے انتخاب کو اپنے اختیار میں رکھے اور اگر شوہر قبول کر لے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں عورت کا کہنا مانے اور اگر وہ اس کی خلاف ورزی کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

---

(۱) نساء(۴۹) آیت ۱۹: وَعَاشِرُوهن بالْمَعْرُوفِ

(۲) طلاق (٦٥) آیت ٦: وَلاتُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِن

خواتین اور پردہ

علم لغت میں حجاب چھپانے (پردہ) کے معنی میں ہے پردہ یعنی وہ لباس ہے جو عورت کے بدن کو چھپادے۔ اسلام نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ مکمل طور پر اپنے بدن کو چھپائیں اور اسے نامحرم مردوں کی نظروں سے محفوظ رکھیں۔

پردہ کا واجب ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے جس کے لئے ہم یہاں پر صرف تین آیتوں کی طرف اشارہ کریں گے:

پہلی آیت:

"اور پیغمبرؐ آپ مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ یہی زیادہ پاکیزہ بات ہے اور بیشک اللہ ان کے کاروبار سے خوب باخبر ہے اور مومنات سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی عفت کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کا اظہار نہ کریں، علاوہ اس کے جو خود از خود ظاہر ہے اور اپنے دوپٹہ کو اپنے گریبان پر رکھیں اور اپنی زینت کو اپنے شوہر، باپ، دادا، اپنی

اولاد اور اپنے شوہر کی اولاد، اپنے بھائی اور بھائیوں کی اولاد، اور اپنی عورتوں اور اپنے غلام اور کنیزوں اور اپنے تابع افراد جن میں عورت کی طرف سے کوئی خواہش نہیں رہ گئی ہے اور وہ بچے جو عورتوں کے پردہ کی بات سے کوئی سروکار نہیں رکھتے ہیں ان سب کے علاوہ کسی پر ظاہر نہ کریں اور خبردار اپنے پاؤں پٹک کر نہ چلیں کہ جس زینت کو چھپائے ہوئے ہیں اس کا اظہار نہ ہو جائے اور صاحبان ایمان تم سب اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے رہو کہ شاید اسی طرح تمہیں فلاح اور نجات حاصل ہو جائے۔''(۱)

مذکورہ آیت عورتوں کے پردہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس میں جن مسائل کی طرف اشارہ ہوا ہے یہاں پر ان کی تشریح ضروری ہے۔

ابتدائی آیت میں مومن مرد اور عورتوں سے کہا گیا ہے کہ اپنی آنکھوں کو بند رکھیں اور مرد کسی عورت کو دیکھ کر یا کوئی عورت کسی مرد کو دیکھ کر اسی کے اوپر اپنی نگاہیں نہ جمادے۔

غض، لغت میں کم کرنے اور بند کرنے کو کہتے ہیں، غضّ بصر یعنی اپنی نگاہ کو جھکا لینا او ر ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھنا کبھی انسان کسی کو دیکھتا ہے لیکن اس کا مقصد اسے دیکھنا نہیں ہوتا اور اگر قصد لذت سے دیکھے تو اسے چشم بازی کہتے ہیں۔ دوسری مرتبہ دیکھنا یا دیکھ کر لذت

---

(۱) نور (۲۴) آیت ۳۰۔۳۱: قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ (۳۰) وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوْ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوْ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ .

اٹھانا انسان کو فساد کی طرف لے جاتا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے لیکن اگر بغیر لذت کے دیکھے تو یہ حرام نہیں ہے کیونکہ یہ لوگوں کے ساتھ رہن سہن اور معاشرت کا، ایک طریقہ نیز سماج میں زندگی گذارنے کے لئے ضروری ہے۔

اس کے بعد آیت میں عورتوں اور مردوں سے یہ تاکید کی گئی ہے کہ اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ فروج، فرج کی جمع ہے جو شرمگاہ کے معنی میں ہے فرج کی حفاظت اور اس کو چھپانے سے مراد یہ ہے کہ عفت اور پاکدامنی کے تحفظ کی کوشش کرنا، اور یہ غض بصر، اپنی آنکھوں کو نیچے رکھنے اور باپردہ رہنے سے حاصل ہوتی ہے۔

پھر عورتوں سے خطاب کر کے خدا نے یہ فرمایا ہے" **ولا یبدین زینتھن الا ما ظھر منھا**" زینت کے معنی زیور یا وہ چیزیں جو خوبصورتی کا ذریعہ بنیں اور ان کی چند قسمیں ہیں ایک وہ زیور جو انسان کے بدن سے جدا ہے جیسے: گوشوارہ، گلے کا ہار، انگوٹھی، بینڈ، چوڑیاں، کڑے اور زینتی کپڑے، دوسرے قسم کی زینت وہ ہے جو انسان کے بدن سے چپکی رہتی ہے جیسے: سرمہ، نیل پالش، ہاتھوں، پیروں اور بالوں کا رنگ یا خضاب وغیرہ۔

مذکورہ آیت میں دونوں زینتیں شامل ہیں اور عورتوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ اپنی زینتوں کو نامحرم مردوں کے سامنے ظاہر نہ کرو اور اس کے ذریعہ ان کو اپنی طرف متوجہ کر کے ان کی جنسی خواہشات کو مت بھڑکاؤ۔

اس کے بعد اس جملہ کو "الا ما ظھر منھا" بیان کر کے عورتوں کو اتنی چھوٹ دی گئی ہے کہ اپنی ان زینتوں کو کھول سکتی ہیں جو فطرتاً ظاہر رہتی ہیں جیسے: سرمہ، بھوؤں کا رنگ، ہاتھ میں مہندی لگانا، انگوٹھی، چادر کا رنگ، برقع اور جوتے، کیونکہ عورت بھی معاشرہ میں زندگی بسر کرتی ہے اور اس کے کاندھوں پر بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں لہٰذا نامحرم مردوں کی نگاہ

اس کے چہرہ، ہاتھ اور ظاہری زینتوں پر پڑتی ہے اور اس کے لئے ان کو چھپانا ایک مشکل کام ہے لہٰذا، اسے یہ چھوٹ دی گئی ہے کہ وہ ان کو چھپائے بغیر بھی اپنی ذمہ داریوں میں مشغول رہ سکتی ہے۔

بعض حدیثوں میں بھی مذکورہ ظاہری زینت کی یہی تفسیر کی گئی ہے جیسا کہ:

''جناب زرارہ نے امام جعفر صادقؑ سے اس آیت ''الا ما ظهر منها'' کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ظاہری زینت سے مراد سرمہ اور انگوٹھی ہے۔''(۱)

''جناب ابوبصیر کہتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ سے اس آیت ''لا یبدین...'' کی تفسیر کے بارے میں نے سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: ظاہری زینت سے انگوٹھی اور کڑے مراد ہیں۔(۲)

آپ نے حجاب کا مزید حکم فرمایا: ''ولیضربن بخمرهن علی جیوبهن'' خمر، خمار کی جمع ہے جو مقنعہ اور بڑے اسکارف کے معنی میں ہے، جیوب بھی جیب کی جمع ہے جو گریبان کے معنی میں ہے۔''

بیان کیا جاتا ہے رسول اکرمؐ کے زمانے میں عورتیں ایسی قمیصیں پہنتی تھیں جن کا گریبان کھلا رہتا تھا جس سے انکا سینہ ظاہر ہو جاتا تھا۔ اسی طرح وہ دوپٹہ کے دونوں سروں کو کان کے پیچھے سے پیٹھ پر ڈال دیا کرتی تھیں جس کی وجہ سے ان کے کان، گوشوارے، گردن اور سینہ کا کچھ حصہ دکھائی دیتا تھا۔

---

(۱) حر عاملی، وسائل الشیعہ جلد ۲۰ صفحہ ۲۰۱: زراره عن ابی عبد اللّٰه ؑ فی قول اللّٰه عزّ وجلّ: ﴿إلّا ما ظهر منها﴾ قال: ''الزينة الظاهرة الكحل والخاتم.

(۲) گذشتہ حوالہ: ابو بصير عن ابی عبد اللّٰه ؑ قال: سالته عن قول اللّٰه عزّ وجلّ: ﴿وَلا يبدين زينتهنّ الّا ما ظهر منها﴾ قال: ''الخاتم والمسكة وهی القلب

اس لئے اس آیت نے عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اپنے دوپٹہ کو اپنے گریبان پر ڈالے رکھیں تا کہ اس سے ان کے کان، گوشوارے، گردن اور سینہ چھپ سکے۔

علامہ طبرسی آیت کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''خمر'' خمار کی جمع اور مقنعہ یا دوپٹہ کے معنی میں ہے کہ جو گریبان اور گردن میں لپٹا ہو آیت میں عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے دوپٹہ کو اپنے سینہ پر ڈالیں تا کہ ان کی گردن چھپی رہے کیونکہ دوپٹہ کو پہلے کمر پر ڈالا جاتا تھا جس کی وجہ سے انکا سینہ نمایاں ہوتا تھا۔(۱)

اور اسی آیت کے ذیل میں یہ فرمایا ہے (ولا یضربن بارجلھن ما یخفین من زینتھن) مکمل طور پر عفت کے تحفظ اور معاشرہ کو برائی سے بچانے کے لئے عورتوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ راستہ چلتے وقت اپنے پیر کو زمین پر نہ پٹخیں تا کہ ان کے زیورات کی آواز نامحرم مردوں کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے اور اس سے ان کی جنسی خواہشات نہ بھڑک اٹھیں اور ایسی مشکلات نہ پیدا ہو جائیں جن میں سماج اور خاص طور سے مردوں اور غیر شادی شدہ لڑکوں کی مصلحت نہیں ہے۔

اس آیت سے چند اخلاقی اور اسلامی نکات سمجھ میں آتے ہیں:

۱۔ نامحرم عورتوں اور مردوں کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اور اگر بالفرض دیکھنا بھی پڑے تو لذت کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔

۲۔ عورتیں اپنے مخفی زیورات کو نامحرم مردوں کے سامنے ظاہر نہ کریں۔

۳۔ عورتوں کا فرض ہے اپنے اسکارف (دوپٹہ) اور مقنعہ کو اس طرح اوڑھیں کہ اس سے ان کا، کان گوشوارے، گردن اور سینہ مکمل طور پر چھپ جائے۔

(۱) مجمع البیان جلد ۷ صفحہ ۱۳۸۔

۴۔عورتوں کو تاکید کی گئی ہے کہ معاشرہ کی عفت اورآبرو کی حفاظت اور اخلاقی برائیوں سے سماج کو بچانے کے لئے کوشش کریں اوراپنے پیروں کوزمین پر نہ پٹخیں، کہ کہیں ان کے پیروں کی آوازسن کرمردوں کے قدموں میں لغزش نہ پیدا ہوجائے۔

۵۔عورتوں پراپنی ظاہری زینت اورزیورکو چھپاناواجب نہیں ہے۔

دوسری آیت:

خداوندعالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

''اے پیغمبرؐ آپ اپنی بیویوں، بیٹیوں اورمومنین کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادرکواپنے اوپرلٹکائے رہا کریں کہ یہ طریقہ ان کی شناخت یاشرافت سے قریب تر ہے اوراس طرح ان کواذیت نہ دی جائے گی اورخدا بہت بخشنے والا اورمہربان ہے۔''(۱)

کتاب ''قاموس'' میں جلباب کے معنی پیراہن اورڈھیلے کپڑے کے بیان ہوئے ہے یاوہ لبادہ (برقع) جودوسرے کپڑوں کے اوپر پہنا جائے اورسب کو چھپادے نیزاسے مقنعہ کے معنی میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

''راغب'' نے بھی اپنی کتاب ''مفردات'' میں جلباب کے معنی پیراہن اورمقنعہ کے بیان کئے ہیں۔

''المنجد'' میں بھی جلباب کے معنی پیراہن اورڈھیلے کپڑے کے بیان ہوئے ہیں۔

اسی بناپرآیت کی تفسیر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں، کہ عورتوں سے کہئے: مقنعہ یادوپٹہ جیسے اوپر پہنے جانے والے لباس کوسستے کپڑوں سے بنائیں یاان کواس طرح پہنیں کہ تمام

(۱)احزاب(۳۳)آیت۵۹: یَاأَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِأَزْوَاجِکَ وَبَنَاتِکَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِینَ یُدْنِینَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیبِهِنَّ ذَلِکَ أَدْنَی أَنْ یُعْرَفْنَ فَلَایُؤْذَیْنَ وَکَانَ اللهُ غَفُورًا رَحِیمًا.

بدن، گریبان اور گردن وغیرہ پوری طرح چھپ جائیں اور وہ انہیں نامحرموں کی آنکھوں سے بچا سکے۔ اگر اس پر عمل کریں گی تو پاک دامن کے عنوان سے پہچانی جائیں گی، دوسروں کی توجہ کا مرکز قرار نہیں پائیں گی اور دوسروں کی چھیڑ خانی اور ایذا رسانی سے محفوظ رہیں گی۔ آیت سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ باوقار، باحجاب اور سادگی کے ساتھ گھر سے نکلے اور اس ذریعہ سے اجتماعی اور اخلاقی برائیوں کو روکے، یہ طور طریقہ عورتوں کے حق میں فائدہ مند ہے نیز نوجوان لڑکوں اور مردوں کے حق میں بھی بہتر ہے۔

تیسری آیت:

قرآن فرماتا ہے:

''اے زنان پیغمبر تم اگر تقویٰ اختیار کرو تو تمہارا مرتبہ کسی عام عورت جیسا نہیں ہے لہٰذا کسی سے لگی لپٹی بات نہ کرنا کہ جس کے دل میں بیماری ہو اسے لالچ پیدا ہو جائے اور ہمیشہ نیک باتیں کیا کرو اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور پہلے جاہلیت جیسا بناؤ سنگار نہ کرو۔''(۱)

مذکورہ آیت میں عورتوں کو تین نصیحتیں کی گئی ہیں:

۱۔ بات کرتے وقت اپنی آواز کو نازک اور لچک دار نہ بنائیں کیونکہ لچک دار لہجہ میں بات کرنے سے بدکار مردوں کے جنسی جذبات بھڑک سکتے ہیں۔

---

(۱) احزاب (۳۳) (۳۲۔۳۳): يَانِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَاتَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَاتَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى.

۲۔حتی الامکان گھر میں رہیں۔

۳۔جاہلیت کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ڈھکے، چھپے بغیر، خودنمائی کی غرض سے باہر نہ نکلیں اور اپنے بناؤ، سنگار اور خوبصورتی کو نامحرم مردوں کے سامنے آشکار نہ کریں۔

اگرچہ یہ آیت رسولؐ کی ازواج اور آپؐ کے گھر کی عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن یہ حکم سب عورتوں کے لئے یکساں ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ "قرن فی بیوتکن" سے مراد یہ نہیں ہے کہ پیغمبرؐ کی عورتوں اور ساری عورتوں کے لئے فرض ہے کہ گھروں میں بیٹھی رہیں اور کبھی بھی گھر سے باہر نہ نکلیں کیونکہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ عورتیں سماج کا ایک واقعی اور حقیقی حصہ ہیں اور ان کے کاندھوں پر کچھ ایسی ذمہ داریاں ہیں جن کی ادائیگی کے لئے گھر سے نکلنا ضروری ہے۔خود رسولؐ خدا کے زمانے میں بھی عورتیں گھروں سے نکلتی تھیں، مسجدوں میں جاتی تھیں ،رسولؐ کے خطبات کو سنتی تھیں اور آپ سے دینی مسئلوں کے بارے میں سوال کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ بہت سی عورتیں راوی حدیث ہیں اور کچھ راویوں نے ان سے حدیث نقل کی ہے۔وہ جنگوں میں بھی شرکت کرتی تھیں اور زخمیوں کی مدد و تیمارداری کرتی تھیں۔ازواج رسولؐ بھی جنگوں میں شرکت کرتی تھیں لیکن ان کے اوپر جہاد کرنا واجب نہیں تھا۔

پیغمبرؐ اور ان کے اصحاب کی سیرت یہ نہیں تھی کہ عورتوں کو گھروں میں قید کردیں اور آیت سے مراد بھی یہ نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ عورتیں گھر اور گھریلو زندگی سے زیادہ دل لگائیں اور اس کو اپنا اصلی مقام ومرتبہ سمجھیں اسی طرح خانہ داری، شوہر داری اور بچوں کی تعلیم وتربیت پر خاص توجہ رکھیں اور اپنے کو اس سلسلہ میں جوابدہ سمجھیں اور ادھر ادھر بے کار یا فضول ٹہلنے سے پرہیز کریں۔

مَحرَم

عورتوں کے لئے مردوں کی دو قسمیں ہیں: محرم و نامحرم

پردہ کے واجب ہونے کے بارے میں جو باتیں عورتوں سے کہیں گئی ہیں وہ نامحرم مردوں کے بارے میں ہیں لیکن محرم مردوں کے سامنے پردہ کرنا واجب نہیں ہے، محرم مرد مندرجہ ذیل ہیں:

والد اور دادا... اس طرح جتنا اوپر چلے جائیں۔

نانا اور پرنانا... اس طرح جتنا اوپر چلے جائیں۔

بھائی اور بھائی کی اولاد جتنا نیچے چلے جائیں۔

بہن کے بیٹے اور ان کی اولاد جتنا نیچے چلے جائیں۔

چچا اور چچا کے چچا جتنے اوپر چلے جائیں۔

ماموں اور ماموں کے ماموں جتنا اوپر چلے جائیں۔

شوہر اور شوہر کے والد جتنے اوپر چلے جائیں۔

شوہر کے ماں باپ اور ان کے ماں باپ جتنا اوپر چلے جائیں۔

شوہر کا بیٹا اور اس کی اولاد جتنے نیچے چلے جائیں۔

لڑکا اور پوتے۔ پوتی اور ان کی اولاد جتنے نیچے چلے جائیں۔

لڑکی اور لڑکی کی اولاد جتنی نیچے چلے جائیں۔

داماد اور داماد کا داماد جتنا نیچے چلے جائیں۔

یہ لوگ ایک دوسرے کے بدن پر نگاہ کر سکتے ہیں اور ان سے پردہ کرنا واجب نہیں ہے بشرطیکہ ان کی نگاہ لذت کے ہمراہ نہ ہو ورنہ محرم اور نابالغ بچوں کو بھی نہیں دیکھ سکتے اسی طرح اگر لذت کی نیت سے دیکھنا چاہیں تو ایک عورت دوسری عورت کو اور مرد، دوسرے مرد کو بھی نہیں دیکھ سکتا ہے۔

پردہ کے حدود

پردہ کا واجب ہونا اسلام کا ایک قطعی حکم ہے اور سارے فقہاء اس مسئلہ میں متفق ہیں۔ عورتوں کا یہ فریضہ ہے کہ اپنے بدن کو نامحرم مردوں سے چھپائیں اور وہ اس کے لئے برقعہ، چادر، لمبی قمیص، عبا، کوٹ یا مقنعہ، غرض کہ ہر وہ چیز استعمال کر سکتی ہیں جو بدن کو اچھی طرح چھپا لے، پردہ کرنے کے لئے کسی مخصوص لباس کے استعمال کرنے کے بارے میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔

پردہ کے واجب ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن چہرہ اور ہاتھوں کو گٹے تک چھپانے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے۔ کچھ فقہاء نے اسے چھپانے کو بھی واجب جانا ہے یا احتیاط کا حکم دیا ہے لیکن اکثر فقہاء نے اس کے چھپانے کو واجب قرار نہیں دیا ہے اور اس کے واجب نہ ہونے پر چند دلیلوں کو بیان کیا ہے۔

پہلی دلیل: وہ حدیثیں جو اس بات کی صراحت کرتی ہیں کی چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں ہے:

مسعدہ بن زیاد کا بیان ہے میں نے امام جعفر صادقؑ سے اس سوال کے جواب میں

جوعورتوں کی ظاہری زینت کے بارے میں ہوا تھا آپؑ کی زبان مبارک سے یہ سنا ہے: ''ظاہری زینت سے مراد چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں۔(۱)

نیز اگر مرد محرم نہ ہو تو عورتوں کے کن اعضاء کو دیکھ سکتا ہے اس، کے بارے میں آپؑ نے فرمایا: چہرہ اور دونوں ہاتھ (گٹے تک) اور دونوں پیر۔ (ٹخنے تک) (۲)

علی بن جعفر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی امام موسیٰ کاظمؑ سے سوال کیا: مرد، نامحرم عورت کے کن اعضاء کو دیکھ سکتا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: چہرہ اور گٹے تک ہاتھ۔'' (۳)

''علی بن سوید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے عرض کی کہ مجھے خوبصورت عورتوں کی طرف دیکھنے کی عادت ہوگئی ہے میں انہیں ہمیشہ دیکھتے رہنا چاہتا ہوں، تو آپؑ نے فرمایا: اگر تمھارا ارادہ غلط نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن دھیان رکھنا کہ زنا میں نہ پڑ جانا کہ اس سے برکت ختم ہو جاتی ہے اور وہ دین کو برباد کر کے رکھ دیتی ہے۔'' (۴)

---

(۱) وسائل الشیعہ: ج ۲۰، ص ۲۱۲ ''مسعدہ بن زیاد قال سمعت جعفراً علیہ السلام وسئل عما تظهر المرأة من زينتها؟ قال الوجه والكفين''

(۲) گذشتہ حوالہ: ج ۲۰، ص ۲۰۱ ''مروک من عبید، عن بعض اصحابنا، عن ابی عبد اللہؑ قال: ما یحل للرجل ان یری من المرأة اذا لم یکن محرماً؟ قال: الوجه والكفان والقدمان.

(۳) نور الثقلین: ج ۳، ص ۵۹۰ ''علی بن جعفر، عن اخیه موسیٰ علیه السلام قال: سالته عن الرجل ما یصلح ان ینظر الیه من المرأة أذا لم یکن محرماً؟ قال: ''الوجه والكف وموضع السواد''

(۴) گذشتہ حوالہ: علی بن سوید قال: قلت لابی الحسن علیه السلام انی مبتلی بالنظر الی المرأة الجمیلة یعجبنی النظر الیها؟ فقال لی: ''یا علی لا باس اذا عرف من نیتک الصدق: وایاک والزنا فانه یمحق البرکة ویهلک الدین.

''مفضل کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کی: میں آپ پر قربان ہو جاؤں اس عورت کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو کچھ نامحرم مردوں کے ساتھ سفر پر جائے اور اس کے ساتھ کوئی عورت بھی نہ ہو اور سفر میں مر جائے اس وقت کیا کرنا چاہیے؟

تو آپؑ نے جواب دیا: اس کے اعضاء تیمّم کو غسل دو لیکن ہاتھ سے نہ ملو اور اس چیز کو جسے خدا نے چھپانے کا حکم دیا ہے ظاہر نہ کرو۔ مفضل نے کہا: بس اس کے بدن کو کیا کریں؟ فرمایا: پہلے اس کی پیشانی کو پھر چہرہ کو اور اس کے بعد اس کے ہاتھوں کو پانی سے غسل دو۔''(۱)

دوسری دلیل: وہ حدیثیں جو صراحت کے ساتھ چہرہ اور ہاتھوں پر دلالت نہیں کرتی ہیں لیکن کسی نہ کسی طرح اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ چہرہ اور دونوں ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں ہے۔

محمد بن ابی نصر کہتے ہیں کہ میں نے امام رضاؑ سے سوال کیا: مرد اپنی سالی کے سر کے بالوں کو دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا: نہیں، مگر یہ کہ سالی بوڑھی اور بہت ضعیف ہو۔ پھر میں نے پوچھا: کیا سالی اور دوسری عورتیں ایک ہی جیسی ہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا:

.....

(۱) وسائل الشیعہ: ج۲، ص۵۲۲: مفضل بن عمر قال: قلت لابی عبد الله علیه السلام (جعلت فداک) ما تقول فی المرأة تکون فی السفر مع الرجال لیس فیهم لها ذو محرم، ولا معهم امراة، فتموت المرأ ة، ما یصنع بها؟

قال "یغسل منها ما اوجب الله علیه التیمم، ولا تمس، ولا یکشف لها شیء من محاسنها التی امر الله بسترها"

قلت: فکیف یصنع بها؟

قال: " یغسل بطن کفیتها، ثم یغسل وجهها، ثم یغسل ظهر کفیها."

ہاں۔ پھر میں نے عرض کیا پس بوڑھی عورتوں کے کن حصوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ تو آپ ؑ نے فرمایا: ان کے بال اور بازو کو۔ (۱)

یہ کہ راوی نے اپنی سالی کے سر کے بالوں کو دیکھنے کے جائز ہونے کے بارے میں سوال کیا لیکن چہرہ کے بارے میں سوال نہیں کیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے چہرہ کے دیکھنے کو بالکل جائز سمجھا ہے ورنہ وہ اس کے بارے میں پہلے سوال کرتا۔ اسی طرح جب آپؑ سے سوال ہوا کہ بوڑھی عورتوں کے بدن کے کن حصوں کو دیکھ سکتے ہیں تو آپؑ نے فرمایا: ان کے بال اور بازو کو اور ان کے چہرہ کا ذکر نہیں کیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ چہرہ کا کھولنا ایک ایسی واضح اور روشن بات تھی کہ اس کو بیان کرنا لازمی نہیں ہے ورنہ آپ اس بات کا اضافہ کرتے۔

امام رضاؑ نے فرمایا: ''جب تمہارے لڑکے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کے لئے کہو لیکن عورت اس وقت اس سے اپنے بالوں کو چھپائے جب وہ بالغ ہو جائیں۔'' (۲)

''عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے امام موسیٰ کاظمؑ سے اس لڑکی کے بارے میں سوال کیا جو ابھی بالغ نہ ہوئی ہو کہ وہ کس عمر میں نامحرم سے اپنا سر چھپائے اور کس عمر میں نماز کے

---

(۱) وسائل الشیعہ: ج ۲۰، ص ۱۹۹: احمد بن محمد بن ابی نصر، عن الرّضا قال: سالته عن الرجل یحل له ان ینظر الی شعر اخت امراته؟ فقال "لا الا ان تکون من القواعد" قلت: اخت امراته والغریبه سواء؟ قال " نعم" قلت: فما لی من النظر الیه منها؟ فقال: " شعرها و ذراها"

(۲) گذشتہ حوالہ: ج ۲۰، ص ۲۲۹: احمد بن محمد بن ابی نصر، عن الرضاؑ قال: "یوخذ الغلام بالصلاة وهوا ابن سبع سنین، ولا تغطی المرأة شعرها منه حتیٰ یحتلم

لئے اپنے سر کو مقنعہ سے ڈھانپے؟ تو آپؑ نے فرمایا: اس وقت تک سر کو چھپانا ضروری نہیں کہ جب تک عورتوں کی مخصوص ماہانہ عادت کی وجہ سے ان پر نماز حرام نہ ہو جائے۔"(۱)

ان دو حدیثوں، میں بالوں اور سر کو چھپانے کے واجب ہونے کو بلوغ کے آثار میں سے بتایا گیا ہے لیکن چہرہ چھپانے کے واجب ہونے کے بارے میں کچھ بیان نہیں کیا گیا ،درحالیکہ اگر یہ کام واجب ہوتا تو اس کو پہلے یہاں بیان کیا جاتا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں پر چہرہ چھپانا واجب نہیں ہے۔

تیسری دلیل: جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ اس جملہ (لا یبدین زینتھن الا ماظھر منھا) سے ممکن ہے اس بات کو ثابت کریں کہ چہرہ اور ہاتھوں کا چھپانا واجب نہیں ہے کیونکہ اہل بیت کی حدیثوں میں سرمہ لگانا اور انگوٹھی پہننا اس آیت کا (الا ما ظھر منھا) مصداق بیان ہوا ہے کہ ان کا چھپانا واجب نہیں ہے۔

اس بنا پر چہرہ اور ہاتھوں کا چھپانا کہ جو ان زینتوں کی جگہ ہے واجب نہیں ہے اسی طرح "ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن" کہ جو اس آیت میں بیان ہوا ہے ایسا نہیں ہے کہ اس میں چہرہ نہ چھپانے کے واجب نہ ہونے پر اشارہ موجود نہ ہو کیونکہ عورتوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ پورا پردہ کرنے کے لئے اپنی چادر اور دوپٹہ کو گریبان پر ڈالیں تا کہ

---

(۱) گذشتہ حوالہ: ج۲،ص۲۲۸: عبد الرحمن بن الحجاج ،قال: سالت ابا ابراھیم علیه السلام عن الجاریة التی لم تدرک متی ینبغی الا تغطی راسھا ممن لیس بینھا وبینه محرم؟ ومتی یجب علیھا ان تقنع راسھا للصلاة؟

قال "لا تغطی راسھا حتی تحرم علیھا الصلاة"

ان کی گردن اور سینہ اچھی طرح چھپ جائیں لیکن چہرہ کو چھپانے کے بارے میں کوئی حکم بیان نہیں ہوا ہے اور اس کے علاوہ مسعدہ بن صدقہ کی حدیث میں بھی اس مسئلہ کی طرف اشارہ ہوا ہے اور اس میں چہرہ اور دونوں ہاتھ "الا ما ظهر منها" کے مصداق بتائے گئے ہیں۔

چوتھی دلیل: بہت سی حدیثوں اور تاریخی شواہد سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول خداؐ کے زمانے میں عورتوں کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے چہرہ کو نہیں چھپاتی تھیں بلکہ چہرہ کھول کر مجمع میں یا گلیوں اور بازاروں میں آتی جاتی تھی جس کی وجہ سے ان کے چہروں پر مردوں کی نگاہیں پڑتی تھی اور وہ ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے آپس میں معاشرت یا خرید و فروخت کرتی تھیں۔ پیغمبرؐ سے حدیث سن کر اسے مردوں کے لئے بیان کرتی تھیں، اسی لئے راویان حدیث میں سینکڑوں عورتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ پیغمبر اکرمؐ کی بیویاں اور گھر کی عورتیں بھی اسی پر عمل کرتی تھیں، حضرت عائشہ، حفصہ، ام سلمہ اور جناب فاطمہ سے سینکڑوں حدیثیں نقل ہوئی ہیں جن کا لازمہ ان کے چہرہ کو دیکھنا اور ان کی آواز کو سننا ہے لیکن رسول خداؐ نے نہ عورتوں کو چہرہ چھپانے کا حکم دیا ہے اور نہ مردوں کو ان کا چہرہ دیکھنے یا آواز سننے سے منع فرمایا، مگر یہ کہ کوئی غلط نظر سے ان کی طرف دیکھے۔

(اس مقام پر مصنف محترم نے جناب جابر کی ایک روایت نقل کی ہے۔ جسے ہم بعض اسباب کی بنا پر چھوڑ رہے ہیں۔ مترجم)

سعد اسکافی نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: مدینہ کی گلی میں ایک انصاری نوجوان کی ایک عورت سے مڈبھیڑ ہوئی، اس زمانے میں عورتیں اپنے مقنعہ کو کان کے پیچھے کر لیتی تھیں۔ انصاری جوان نے اس کو دیکھا وہ اس تک پہنچی اور آگے بڑھ گئی بعد

میں جوان نے پیچھے مڑکر اس کو پھر دیکھا اور اس کا سر کسی ہڈی یا شیشہ سے ٹکرا کر پھٹ گیا، اس کا چہرہ زخمی ہوگیا اور خون اس کے سینہ اور کپڑے پر جاری ہوگیا۔ جوان نے کہا: خدا کی قسم اس عورت کی شکایت میں رسول خداؐ سے کروں گا۔ جوان جب رسول خداؐ کی خدمت میں آیا تو آنحضرتؐ نے پوچھا کیوں اس طرح خون آلود ہوگئے ہو؟ تو اس نے پورا واقعہ رسولؐ کے سامنے بیان کیا۔ اسی وقت جبرئیل نازل ہوئے اور اس آیت کو بیان کیا: ''اور پیغمبرؐ آپ مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں کہ یہی زیادہ پاکیزہ بات ہے اور بیشک اللہ ان کے کاروبار سے خوب باخبر ہے۔''(۱)

اس قصہ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ رسول اللہؐ کے زمانہ کی عورتیں آغاز اسلام میں نہ صرف یہ کہ اپنے چہرہ کو نہیں چھپاتی تھیں بلکہ اپنے دوپٹہ کو کان کے پیچھے ڈال دیتی تھیں جس کی وجہ سے ان کے کان، گوشوارے، اور گردن یا سینہ کھلا رہتا تھا اور اسی وجہ سے اس انصاری جوان والا واقعہ رونما ہوا اور اس نے رسول اکرمؐ سے شکایت کی، جس کی وجہ سے پردہ کی آیت نازل ہوئی کہ اس میں عورتوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ اپنے مقنعہ کو اپنے گریبان پر ڈال لیا کریں تا کہ ان کے کان، گوشوارے، گردن اور سینہ وغیرہ چھپے رہیں۔

یہاں پر ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ اس میں چہرہ کو چھپانے کے بارے میں حکم نہیں آیا ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ چہرہ چھپانا واجب نہیں ہے پردہ کی آیت اخلاقی اور سماجی برائیوں کو روکنے کے لئے اور انصاری جوان جیسے واقعات کی تکرار نہ ہونے کے لئے مردوں اور عورتوں سے تاکید کرتی ہے کہ اپنی نظروں کو نیچی رکھیں اور آنکھوں کے اشارہ نیز لذت سے پرہیز کریں۔

---

(۱) تفسیر نور الثقلین، ج۳، ص۵۸۷، نور آیت ۳۰: قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُم....

پردہ کا فلسفہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے پردہ کا واجب ہونا اسلام کا ایک قطعی حکم ہے، لیکن یہا ں پر اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پردہ کا فلسفہ کیا ہے؟ اور کیوں اسلام نے پردہ کو شرعی حیثیت دے کر عورتوں کی آزادی کو ان سے چھین لیا ہے، کیا یہ ظلم وستم نہیں ہے؟

اس کے جواب میں ہم صرف اتنا کہیں گے کہ پردہ کی شرعی حیثیت سے اسلام کا مقصد ہر گھرانہ کی بنیادوں کو مضبوط کرنا، جنسی بے راہ روی اور اس کے برے اثرات کی روک تھام سماج کی سلامتی اور امنیت کی فراہمی، ماحول کو صاف ستھرا بنانے میں مدد کرنا اور اخلاقی فسادات کو کم کرنا ہے اور اس طرح کی پابندیاں اور حد بندیاں عورتوں کے لئے نقصان دہ نہیں بلکہ درحقیقت یہ عورتوں، ان کے بچوں اور شوہروں نیز سماج کے دوسرے افراد کے فائدہ کے لئے ہیں۔

اپنی اس گفتگو کی وضاحت کے لئے اس مقام پر ہم چند اہم عنوانات کو بطور مقدمہ بیان کررہے ہیں:

پہلا نکتہ: اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ عورت اور مرد معاشرہ کے دو مہم حصے ہیں اور ان کی انفرادی سعادت آرام وسکون ایک حد تک ان کے زندگی بسر کرنے کی جگہ کے صحیح وسالم ہونے اور اس کی امنیت اور پاکیزگی سے وابستہ ہے اور اس کی سلامتی اور امنیت کو فراہم کرنا اور ماحول کو برائیوں سے پاک کرنا انہیں دونوں کی مشترکہ ذمہ داریاں ہیں۔ لہٰذا اس کے لئے ان دونوں کی مساوی شرکت اور مدد ضروری ہے۔

دوسرا نکتہ :عورت ایک نرم و نازک طبیعت والی مخلوق ہے اور وہ فطرتاً بناؤ سنگار ،خوبصورتی ،خودنمائی ،اور دلربائی کی شوقین ہوتی ہے اور وہ اپنی جذابیت اور کشش سے یہ کوشش کرتی ہے کہ مردوں کے دلوں کو اپنے قبضہ میں کر لے، لیکن مرد ایک طلب گار اور جدت پسند مخلوق ہے۔وہ اپنی جنسی خواہشات کے مقابلہ میں بیحد کمزور اور ناتوان ثابت ہوا ہے یعنی اس کی جنسی خواہشیں فوراً ردعمل شروع کر دیتی ہیں اور اس سرکش اور جنسی طوفان کے بھڑک اٹھنے کے بعد عقل، قانون اور دین بھی اس کو قابو میں نہیں کر پاتے ہیں۔

عورتوں کی تمام چیزیں مردوں کے لئے خاص طور سے جوانوں کے لئے جنسی تحریک کا سبب ہیں عورت کی زینت ،اس کے خوبصورت کپڑے، نازک آواز، دلربا ادائیں، اس کا بدن، بال یہاں تک کہ بدن کی گرمی سے بھی مردوں کی جنسی خواہشات بھڑک سکتی ہیں۔

تیسرا نکتہ: معاشرہ میں ایسے جوان اور مرد بہت زیادہ ہیں کہ جو فقیری، ناداری ،بیکاری، کم آمدنی، تعلیم کو آگے بڑھانے ،اور ملک کی خدمت یا دوسری بہت سی وجوہات کی بنا پر شادی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ یہ ان لوگوں کی جوانی کا دور ہے اور یہ وہ دور ہے جو جنسی خواہشات کے عروج کا دور ہوتا ہے ایسے افراد کی تعداد کم نہیں ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان لوگوں کی بے کسی پر ترس آتا ہے کیونکہ یہ اپنے ہی جیسے انسانوں کی اولاد اور ہمارے سماج کا ایک حصہ ہیں۔

مذکورہ باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورتوں کی بھلائی کس چیز میں ہے؟ بے راہ روی اور مطلق آزادی کے ساتھ بے پردہ رہنا یا باپردہ رہ کر تھوڑی سی پابندی کو قبول کر لینا؟

اس سوال کا صحیح جواب سمجھنے کے لئے ہم دو طرح کے معاشرے فرض کرتے ہیں اور

ان کی اچھائیوں اور برائیوں کا ایک دوسرے سے موازنہ کرتے ہیں۔

ا۔ایک معاشرہ میں عورتیں پردہ نہ کرنے یا مردوں کے ساتھ رہنے میں کاملاً آزاد ہیں وہ اپنی فطری خواہشات کو پورا کرنے کے لئے خودنمائی کرتی ہیں اور اچھی طرح سج دھج کر یا نیم برہنہ ہوکر خوبصورت اور رنگین کپڑے پہنتی ہیں اور نئے نئے فیشنوں والے کپڑے پہن کر گھروں سے نکلتی ہیں اور وہ بازاروں، گلی، کوچہ، سڑک، دفتر، دکان کالج، اسکول، اسپتال اور عام جگہوں پر مکمل طور سے آزادی کے ساتھ نامحرم مردوں کے ساتھ رفت وآمد کرتی ہیں یا ان سے باتیں کرتی ہیں۔اپنے نیم برہنہ بدن، حسن وجمال، اور خوبصورتی یا اپنی اداؤں سے مردوں کے دلوں کو اپنی طرف جذب کرتی ہیں اور جہاں کہیں بھی جاتی ہیں ایک قافلہ کا دل اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔اگر شوہر دار نہ ہوں تو دیر رات تک سنیما ہال، شراب خانہ، اور ڈانس اور ناچ گانے کے کلبوں میں یا پارکوں میں اور سڑکوں پر چکر لگاتی ہیں اور اگر شوہر دار بھی ہوں تو یا اس کے ساتھ یا اس کے بغیر آزادی کے بہانہ سے ہر جگہ آتی، جاتی ہیں۔

ایسے معاشرہ میں تمام لڑکے اور لڑکیاں ایک دوسرے سے ملنے جلنے، اور انہیں دوست بنانے یہاں تک کہ جنسی رابطہ قائم کرنے کے اعتبار سے بالکل آزاد ہیں اور مرد کے لئے بھی عورتوں کے ساتھ ہر طرح کا رابطہ قائم رکھنے کی کھلی چھوٹ ہے۔

چنانچہ جس عورت کو وہ پسند کرتے ہیں اس سے تعلقات قائم کر سکتے ہیں۔ایک دوسرے کے ساتھ سنیما، شراب خانوں، نائٹ کلب، پارک یا سڑکوں پر گھومتے ٹہلتے ہیں اور ہر طرح کی اچھی یا بری جگہوں پر بآسانی چلے جاتے ہیں اور عیش، نوش کی نشستیں جماتے رہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ ایسے معاشرہ میں بے پردہ عورتیں بے راہ روی کے ساتھ اپنے گھروں سے

نکلتی ہیں اور دوسرے مردوں کے ساتھ ملنے، جلنے اور جنسی تعلقات قائم کرنے میں آزاد ہیں مگر اس آزادی سے مندرجہ ذیل نتائج بھی ہمارے سامنے آتے ہیں:

گھر کے تقدس کا شیرازہ بکھر جانا، عورت اور مرد کا گھر اور گھر والوں کی طرف سے بے پرواہ ہو جانا، شوہر اور بیوی کا ایک دوسرے سے بدگمان ہونا اور سی آئی ڈی والوں کی طرح ایک دوسرے پر کڑی نظر رکھنا، گھریلو جھگڑوں میں اضافہ، ناجائز، بے سرپرست اور بے کار بچوں کی تعداد کا زیادہ ہونا، نفسیاتی امراض کی زیادتی، قتل وغارت اور خودکشی کے واقعات کا بڑھنا، بے شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی تعداد میں اضافہ، زیادہ عمر میں شادی ہونا، گھر بسانے کی طرف سے لڑکوں اور لڑکیوں کی بے رغبتی، اخلاقی برائیوں اور جنسی بے راہ روی کی طرف جوانوں کا رجحان، طلاق اور جدائی میں اضافہ، اکیلے زندگی گزارنے پر مجبور مردوں اور عورتوں کی تعداد میں اضافہ وغیرہ۔

مختصر یہ کہ اس طرح کے ماحول میں گھریلو زندگی کا جنازہ نکل جاتا ہے، جس کا ثبوت ہمیں مغربی ممالک میں بآسانی دیکھنے کو مل سکتا ہے۔ کیا ایسا معاشرہ عورتوں، مردوں اور جوانوں کے حق میں مفید ہے؟ اگر ناپختہ احساسات کو فراموش کر کے خوب غور وفکر کریں تو یقیناً آپ کا جواب ''نہیں'' ہوگا۔

۲۔ دوسرا معاشرہ وہ ہے جس میں عورتیں زندگی کے مختلف میدانوں میں فعال کردار ادا کرتی ہیں، اپنے امکان کے مطابق اپنے مناسب حال کاموں کو قبول کرتی ہیں اور اپنے فرائض کو انجام دیتی ہیں۔ اسکول، کالج، تحقیقات کے مراکز، اسپتال، کلینک، چیک اپ کرانے کی جگہ، زچہ خانے، قانون ساز مجلس (پارلیمنٹ)، وزارت خانے اور دوسری اہم نیز مناسب پوسٹوں میں عورتیں بھی مردوں کی طرح شریک کار رہتی ہیں۔ صرف ہاتھ

اور چہرے کے علاوہ مکمل طور پر پردہ کی رعایت کرتی ہیں۔ وہ مردوں کے سامنے یا آفسوں میں جانے کے لئے سجتی سنورتی نہیں ہیں بلکہ ڈھکی، چھپی اور سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتی ہیں۔ بناؤ، سنگار اور آرائش کو اپنے گھر اور اپنے شوہروں سے مخصوص رکھتی ہیں۔

وہ ان پابندیوں کو بخوشی اور ایثار و قربانی کے ساتھ قبول کرتی ہیں تا کہ ان کا معاشرہ انحراف اور فتنہ و فساد سے بچا رہے اور ہر طرح سے پاک وصاف رہے کیونکہ وہ ان جوانوں اور مردوں کو مدنظر رکھتی ہیں جو شادی نہیں کر سکتے ہیں۔ وہ اسی لئے باپردہ رہتی ہیں کہ دوسرے لوگوں کی نگاہیں ان پر نہ پڑیں اور ان کے شوہروں کی محبت کا جذبہ ٹھنڈا نہ پڑ جائے اور مختلف نکتہ چینیوں اور بہانہ تراش کر گھر کے محبت کے جذبہ کو لڑائی جھگڑے میں تبدیل نہ کر دیں۔

ان پابندیوں کو قبول کرتی ہیں تا کہ جوان لڑکی اور لڑکے کہ جو ان عورتوں کی اولادیں ہیں، جنسی برائیوں اور اعصابی بیماریوں سے محفوظ رہیں اور جب مناسب موقع اور وسائل فراہم ہو جائے تو شادی کر لیں اور اپنی مشترکہ زندگی کی شروعات کریں۔

ان پابندیوں کو قبول کرتی ہیں تا کہ گھر کے نظام کو مضبوط بناتی رہیں، کیونکہ وہ خود بھی اسی کا حصہ ہیں۔ لہٰذا اس طرح اپنی اور دوسرے لوگوں کی مدد کر سکیں اور طلاق کے واقعات یا تنہا زندگی گذارنے والے بے یار و مددگار اور بے سرپرست بچوں کی تعداد کم ہو سکے۔

ایسے معاشرہ میں گھریلو تعلقات زیادہ تر مستحکم اور شوہر و بیوی کا آپسی رابطہ نسبتاً بہتر رہتا ہے۔ جوانوں کے درمیان لڑائی، جھگڑے، اخلاقی برائیاں اور جنسی بے راہ روی نسبتاً کم دکھائی دیتی ہے جوان لڑکے اور لڑکیاں شادی کرنے اور مقدس زندگی شروع کرنے کی طرف مائل رہتے ہیں۔ طلاق اور غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی تعداد زیادہ نہیں رہتی

اور بے سرپرست و بے کار بچے بھی کم ہوتے ہیں۔

ایسے معاشرہ میں ماں باپ اپنے بچوں کی اخلاقی برائیوں، جنسی بے راہ روی اور نفسانی بیماریوں سے ان کے محفوظ اور سالم رہنے کے بارے میں زیادہ مطمئن رہتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے معاشرہ میں زندگی گذارنا عورتوں کے حق میں زیادہ بہتر ہے یا پہلے والے معاشرہ میں زندگی گذارنا بہتر ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہر عقلمند انسان دوسرے معاشرہ کو پہلے سماج سے بہتر اور صحیح وسالم قرار دے گا۔

اسلام بھی مذکورہ دونوں معاشروں میں سے دوسرے قسم کے معاشرہ میں زندگی گذارنے کو بہتر اور مناسب سمجھتا ہے اسی وجہ سے اس نے پردہ کو واجب قرار دیا ہے اور عورتوں کے لئے یہ واجب کیا ہے کہ ''وہ باپردہ رہیں اور اپنے زیور اور زینت کو نامحرم مردوں سے چھپایا کریں۔''(۱)

پیغمبرؐ نے عورتوں کو اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے سجنے، سنورنے سے منع کیا ہے اور آپؐ کا ارشاد ہے:

جو عورت بھی اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے مرد کے لئے اپنے کو سجائے، سنوارے، زینت کرے تو وہ اس کی مستحق ہے کہ خداوند عالم اسے جہنم کی آگ میں جلادے۔(۲)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

---

(۱) نور (۲۴) آیت ۳۱.

(۲) وسائل الشیعہ: ج ۲۰، ص ۲۱۲: عن النبیؐ فی حدیث المناهی "ونهی ان تتزین لغیر زوجها فان فعلت کان حقاًعلی الله ان تحرقها بالنار".

عورتوں کے لئے مناسب یہی ہے کہ جب گھر سے باہر نکلیں تو خوشبو نہ لگائیں۔(۱)

اسی طرح فرمایا:

عورتوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ نامحرم مردوں سے مصافحہ کریں مگر یہ کہ کپڑے کے اوپر سے۔(۲)

اسلام نے اپنے سماج کو پاک وصاف رکھنے کے لئے نہ صرف یہ کہ پردہ کو عورتوں کے لئے ضروری قرار دیا بلکہ مردوں کو یہ تاکید بھی کی ہے کہ چشم بازی نہ کریں اور اپنی آنکھوں کو نامحرم عورتوں کے دیکھنے سے باز رکھیں۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

''اور پیغمبرؐ! آپ مومنوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، کہ یہی زیادہ پاکیزہ بات ہے۔ اور بیشک اللہ ان کے کاروبار سے خوب باخبر ہے۔''(۳)

امام صادقؑ نے فرمایا:

نامحرم کو دیکھنا شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے، اور عین ممکن ہے کہ

---

(۱) گذشتہ حوالہ: ص۲۲۰: جابر بن یزید: قال سمعت ابا جعفر محمد بن علی الباقر یقول" ولا یجوز لها ان تتطب اذا خرجت من بیتها".

(۲) گذشتہ حوالہ: ص۲۲۲: جابر بن یزید الجعفی قال: سمعت ابا جعفر محمدبن علی الباقرؑ یقول "ولا یجوز للمراة ان صافح غیر ذی محرم الامن وراء ثوبها".

(۳) نور(۲۴) آیت۳۰: قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُون.

ایک نگاہ کے نتیجہ میں طولانی حسرت سے دوچار ہونا پڑے۔(۱)

نیز آپؐ ہی کا ارشاد ہے:

نامحرم کو دیکھنا، شیطان کا ایک زہریلا تیر ہے، جو کوئی بھی خدا کی خوشنودی کی خاطر اس سے پرہیز کرے وہ امن وایمان کی لذت کو ضرور چکھے گا۔(۲)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

''ایک بار دیکھنے کے بعد دوبارہ دیکھنے سے شہوت ابھر جاتی ہے، اور فتنہ وفساد میں پڑنے کے لئے یہی کافی ہے۔''(۳)

امام صادقؑ نے فرمایا:

''جس کی نگاہ کسی نامحرم عورت پر پڑے اور وہ اپنی آنکھوں کو آسمان کی طرف پھیر لے یا ان کو بند کر لے تو خداوند عالم اس عمل کی جزا کے طور پر اسے جنت میں حورالعین عطا کرے گا۔''(۴)

رسول خداؐ نے فرمایا:

.....

(۱) وسائل الشیعہ: ج ۲۰، ص ۱۹۱: علی بن عقبہ عن ابیہ: عن ابی عبد اللہؑ قال سمعتہ یقول "النظرۃ سہم من سہام ابلیس مسموم وکم من نظرۃ اورثت حسرۃ طویلۃ.

(۲) گذشتہ حوالہ: ص ۱۹۲: عقبہ عن ابی عبداللہؑ قال "النظرۃ سہم من سہام ابلیس مسموم من ترکہا للّٰہ امنا وایماناً یجد طعمہ".

(۳) گذشتہ حوالہ: ص ۱۹۲: عن الکاہلی قال قال ابوعبد اللہؑ "النظرۃ بعد النظرۃ تزرع فی القلب الشہوۃ وکفی بہا لصاحبہا فتنۃ"

(۴) گذشتہ حوالہ: ص ۱۹۳: قال الصادقؑ "من النظر الی المرأۃ فرفع بصرہ الی السماء اوغض بصرہ لم یرتد الیہ بصرہ حتی یزوجہ اللّٰہ من الحورالعین"

''جو مرد نامحرم عورت سے حرام طریقہ سے مصافحہ کرے گا اس کو قیامت کے دن بندھے ہاتھوں کے ساتھ جہنم کی آگ میں دھکیل دیا جائے گا۔''(۱)

رسول خداؐ نے فرمایا:

''جو شخص بھی ایسی عورت کے ساتھ ہنسی مذاق کرے جس کا وہ مالک نہیں ہے (جو اس کے لئے نامحرم ہے) تو خداوند عالم ہر کلمہ کے عوض (جس کے ذریعہ اس نے اس سے بات کی ہے) اسے قیامت کے دن ہزار سال تک قید رکھے گا۔''(۲)

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''کوئی شخص بھی نامحرم عورت کے ساتھ تنہا نہ رہے ورنہ شیطان ان کا تیسرا ساتھی ہوگا۔''(۳)

امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے والد اور انہوں نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''جو شخص بھی خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس جگہ نہ سوئے کہ جہاں نامحرم عورت کی سانس کی آواز سنائی دے رہی ہو۔''(۴)

---

(۱) گذشتہ حوالہ: ۱۹۸: عن رسول اللہؐ قال ''من صافح امراۃ حراماً جاء یوم القیامۃ مغلولاً ثم یؤمر بہ الی النار''

(۲) گذشتہ حوالہ: ص ۱۹۸: قال رسول اللہؐ ''من فاکہ امراۃ لا یملکھا حبسہ کلمۃ کلمھا فی الدنیا الف عام''

(۳) مستدرک الوسائل: ج ۱۴، ص ۲۶۵: عن علیؑ قال ''لا یخلو بامراۃ رجل فمامن رجل خلا بامراۃ الا کان الشیطان ثالثھما''

(۴) وسائل الشیعہ: ج ۲۰، ص ۱۸۵: موسی بنؑ جعفر عن ابائہ عن رسول اللہؐ قال ''من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یبیت فی موضع یسمع نفس امراۃ لیست لہ بمحرم''

شادی اوراس کے فوائد

ہر گھر دنیا کے سماج کی ایک اہم اکائی ہے کہ جو شوہر اور بیوی کے رشتہ سے شروع ہوتی ہے اور بچوں کی پیدائش کے بعد اس میں وسعت اور مضبوطی پیدا ہو جاتی ہے۔ شادی، تمام انسانوں کی ایک فطری ضرورت ہے اور عقد نکاح کے بعد اسے قانونی شکل حاصل ہو جاتی ہے۔

اسلام شادی اور اپنا گھر بسانے کے بارے میں بیحد اہمیت کا قائل ہے اور اس کو مقدس کام سمجھتا ہے۔ اور احادیث میں اسے بہترین بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

امام محمد باقرؑ نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے:

''اسلام میں کوئی ایسی عمارت نہیں بنائی گئی ہے جو خدا کے نزدیک شادی سے زیادہ پسندیدہ ہو۔''(۱)

امام جعفر صادقؑ نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

.....

(۱) وسائل الشیعہ: ج ۲۰، ص ۱۵: عن ابی جعفرؑ قال رسول اللّٰہ "ما بنی بناء فی الاسلام احب الی اللہ من التزویج"

''خداوند عالم کے نزدیک کوئی بھی چیز اس گھر سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب نہیں جو شادی کے ذریعہ سے آباد ہوا ہو، اسی طرح خدا کے نزدیک کوئی چیز اس گھر سے زیادہ قابل نفرت نہیں ہے کہ جو طلاق کے ذریعہ اجڑا ہو۔''(۱)

شادی اسلام کی وہ اہم سنت ہے کہ جس پر پیغمبرؐ اور ائمہ معصومینؑ نے عمل کرنے کی تاکید کی ہے۔

امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا:

''شادی کرو کیونکہ رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص بھی میری سنت پر عمل کرنا چاہتا ہے وہ جان لے کہ شادی میری سنت ہے۔''(۲)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

''نکاح میری سنت ہے لہٰذا جو شخص اس سے منہ موڑے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔''(۳)

اسلام کی نگاہ میں شادی کوئی حیوانی کام نہیں ہے اور نہ ہی اسلام اپنے ماننے والوں کو رہبانیت اور ترک نکاح کی دعوت دیتا ہے بلکہ وہ تو اسے تزکیہ اور تہذیب نفس کا راستہ اور گناہوں کو ترک کرنے اور خدا سے نزدیک ہونے کا سبب قرار دیتا ہے۔

---

(۱) گذشتہ حوالہ: ص۱۶: عن ابی عبداللہؑ قال: "قال رسول اللہؐ ما من شی احب الی اللہ من بیت یعمر فی الاسلام بالنکاح وما من شی ابغض الی اللہ من بیت یخرب فی الاسلام بالفرقة، یعنی الطلاق"

(۲) گذشتہ حوالہ: ص۱۷: قال امیر المومنینؑ "تزوجوا فان رسول اللہؐ قال من احب ان یتبع سنتی فان من سنتی التزویج"

(۳) بحار الانوار: ج۱۰۳، ص۲۲۰: قال رسول اللہؐ " النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی"

امام صادقؑ نے فرمایا:

''شادی شدہ کی دو رکعت نماز، غیر شادی شدہ کی ستر (۷۰) رکعتوں سے بہتر ہے۔''(۱)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

''شادی شدہ کی دو رکعت نماز، غیر شادی شدہ کی پوری رات کی نمازوں اور دن کے روزہ سے بہتر ہے۔''(۲)

امام جعفر صادقؑ نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''تمہارے سب سے برے مردے وہ ہیں جو شادی کئے بغیر مر جائیں۔''(۳)

شادی کر کے اپنا گھر بسانا اسلام کی نگاہ میں ایک بیحد عمدہ کام ہے، جس کے بہت سے فائدے ہیں۔ فی الحال ہم ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

۱۔ **انس و محبت کا ذریعہ:** اس پر آشوب زندگی میں ہر انسان کو ایک گھر اور راحت و آرام کے ساتھ انس و محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ ایسے ساتھی کا خواہشمند ہوتا ہے جو اس کے رازوں کا محافظ، اس کا خیر خواہ، حامی و مددگار ہو تا کہ اس سے انس و محبت حاصل کرے اور اس کی مخلصانہ مدد اور حمایت سے فائدہ اٹھا سکے۔ نیز وہ ایسے انسان کا محتاج بھی ہے جسے وہ اپنا شریک زندگی بنا سکے۔ صحت مندی اور بیماری، عزت و ذلت، خوشی اور غمی،

---

(۱) وسائل الشیعہ: ج ۲۰ ص ۱۸: قال ابو عبداللہؑ "رکعتان یصلیهما المتزوج افضل من سبعین رکعة یصلیها عزب"

(۲) گذشتہ حوالہ: ص ۱۹: قال النبی "رکعتان یصلیهما متزوج افضل من رجل عزب یقوم لیله ویصوم نهاره"

(۳) گذشتہ حوالہ: ص ۱۹: عن ابی عبد اللہؑ "قال رسول اللہؐ رذال موتاکم العزاب"

فقیری وامیری، آسائش وتنگ دستی اور ہر حالت میں اس کے لئے وفادار، مہربان اور خیر خواہ ہو، اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے شریک حیات سے بہتر کون ہوسکتا ہے اور کون سی جگہ گھر سے زیادہ مناسب ہوسکتی ہے؟

جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارا جوڑا تمہیں میں سے پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت قرار دی ہے کہ اس میں صاحبان فکر کے لئے بہت ساری نشانیاں پائی جاتی ہیں۔''(۱)

۲۔ پاکدامنی کا وسیلہ اور گناہوں سے بچنے کا سبب: انسان کو فطرتاً جنسی عمل کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ اس خواہش کی تسکین کا محتاج ہوتا ہے لہٰذا اگر شرعی طریقہ سے اسے پورا نہ کیا جائے تو اس کو کنٹرول کرنا بہت مشکل ہے اور انسان گمراہی میں پڑ جاتا ہے۔ اس بنا پر جنسی خواہش کو پورا کرنے اور گناہوں سے بچنے کے لئے شادی بہترین اور سالم ترین ذریعہ ہے۔

رسول خداؐ نے فرمایا:

''جو شخص خدا سے پاک وپاکیزہ ملاقات کرنا چاہتا ہے وہ شادی کرلے۔''(۲)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''جس شخص نے شادی کرلی اس نے اپنے آدھے دین کو محفوظ کرلیا۔''(۳)

---

(۱) روم (۳۰) آیت ۲۱: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

(۲) وسائل الشیعہ: ص ۱۸: قال رسول اللهؐ: "من احب ان يلقى الله طاهر أمطهر أفليلقه بزوجه"

(۳) گذشتہ حوالہ: ص ۱۷: عن ابی عبد اللهؑ: "قال "قال رسول اللهؐ من تزوج احرز نصف دينه"

حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے اپنے والد اور انہوں نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''جو شخص جوانی کے شروع میں ہی شادی کر لے تو شیطان یہ فریاد کرتا ہے، ہائے افسوس اس جوان نے اپنے دو تہائی دین کو محفوظ کر لیا ہے۔ پس اس کے لئے ضروری ہے باقی ایک تہائی دین کو تقویٰ کے ذریعہ محفوظ رکھے۔''(۱)

۳۔ جسمانی اور نفسیاتی تندرستی کا ذریعہ: جنسی عمل اور اس کی انجام دہی ایک فطری ضرورت ہے کہ جس سے جسم اور اعصاب، صحت مند اور تندرست رہتے ہیں۔ لہٰذا اس کو کنٹرول کئے رہنے یا بالکل ختم کر دینے سے انسان کے اعصاب کمزور ہو جاتے ہیں اور وہ معتدل حالت سے خارج ہو جاتا ہے اور ممکن ہے کہ متعدد نفسیاتی بیماریوں جیسے: مسلسل غمزدہ رہنا، نا امیدی، اضطراب، ڈر، بدظنی، بے کاری، بے اعتمادی اور غصہ کی اصل بنیاد جنسی خواہش کو نابود کرنا ہی ہو۔ اسی بنا پر صحیح عمر میں شادی کرنا اور شرعی طریقہ سے جنسی خواہش کو پورا کرنا بھی انسانی اعصاب اور جسم کی صحت و تندرستی کا ایک ذریعہ ہے۔

رسول خداؐ نے فرمایا:

''غیر شادی شدہ مردوں اور عورتوں کی شادی ایک دوسرے سے کر دو تا کہ خدا ان کے اخلاق کو نیک بنا دے ان کے رزق میں وسعت دے دے اور ان کی مروت میں اضافہ کر دے۔''(۲)

---

(۱) بحار الانوار: ج۱۰۳، ص۲۲۱: موسیٰ بن جعفرؑ عن النبیؐ قال "ما من شاب تزوج فی حداثة سنه الا عج شیطانه یاویلاه یا ویلاه عصم منی ثلثی دینه فلیتق الله العبد فی الثلث الباقی"

(۲) گذشتہ حوالہ: ص۲۲۲: "قال رسول اللهؐ زوجوا ایاما کم فان الله یحسن لهم اخلاقهم ویوسع لهم فی ارزاقهم ویزیدهم فی مرواتهم"

۴۔اجتماعی ماحول کو سالم بنانے میں مددگار: اگر انسان آغاز جوانی میں ہی شادی کر لے اور گھریلو زندگی سے وابستہ ہو کر اسی میں مشغول رہے تو وہ بے راہ روی اور اخلاقی برائیوں سے دور رہے گا۔ جس کے نتیجہ میں زنا بالجبر، لڑکیوں اور عورتوں کا غائب ہو جانا، لواط، استمناء، یہاں تک کہ نشہ، قتل اور چوری جیسے جرائم میں بھی کمی ہو جائے گی۔ وقت پر شادی کرنا ماحول اور معاشرہ کی سلامتی اور امنیت کے لئے بہت ہی موثر ہے، اسی وجہ سے اسلام نے بچوں کے سرپرستوں اور مربیوں کو یہ تاکید کی ہے کہ جن جوانوں کی شادی نہیں ہوئی ہے ان کی شادی کا انتظام کریں۔

جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

''اور اپنے غیر شادی شدہ آزاد افراد اور اپنے غلاموں اور کنیزوں میں سے با صلاحیت افراد کے نکاح کا انتظام کرو، کہ اگر وہ فقیر بھی ہوں گے تو خدا اپنے فضل وکرم سے انہیں مالدار بنادے گا۔ خدا بڑی وسعت والا اور صاحب علم ہے۔''(۱)

رسولؐ خدا نے فرمایا:

''بیٹے کے تین حق باپ کے ذمہ ہیں: اس کا اچھا نام رکھے، اس کو لکھنا پڑھنا سکھائے، اور جب سن بلوغ تک پہنچ جائے تو اس کے لئے شادی کے وسائل فراہم کرے۔''(۲)

---

(۱) نور (۲۴) آیت ۳۲: وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ.

(۲) مکارم الاخلاق: ج ۱، ص ۲۵۳: عن النبیؐ قال ''من حق الولد علی والده ثلاثة: یحسن اسمه، ویعلمه الکتابة، ویزوجه اذا بلغ''

۵۔انسانی نسل کو آگے بڑھانے کا سبب: اسلام کی نظر میں تولید نسل اور آبادی بڑھانا ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور اسے شادی کے اہم مقاصد میں قرار دیا گیا۔

امام محمد باقرؑ نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''کیا حرج ہے کہ اگر کوئی مومن شادی کرے تو شاید خدا اسے ایسا فرزند عطا کردے کہ جو زمین کو لا الہ الا اللہ کے بوجھ سے سنگین بنادے۔''(۱)

رسول خداؐ نے فرمایا:

''شادی کرو، تاکہ تمہاری تعداد زیادہ ہوجائے، کیونکہ میں قیامت کے دن سب امتوں کے مقابلہ میں تم پر فخر ومباہات کروں گا، یہاں تک کہ ان بچوں کے ذریعہ بھی جو ساقط ہوچکے ہیں۔''(۲)

۶۔حصول لذت: شادی کا ایک فائدہ لذت حاصل کرنا اور جنسی خواہش کو شرعی طریقہ سے پورا کرنا ہے۔جنسی لذت دنیا کی لذتوں کے درمیان ایک اہم لذت ہے اور اسلام کی نگاہ میں نہ صرف یہ کہ یہ مذموم نہیں بلکہ یہ ایک شرعی کام ہے اور اگر قصد قربت کے ساتھ انجام پائے تو اس کا ثواب بھی ہے بلکہ بعض اوقات تو یہ عمل واجب بھی ہوجاتا ہے۔

شادی ایک مقدس عہد و پیمان ہے جو مندرجہ ذیل چیزوں کے بعد وجود میں آتا ہے:

ا:عورت اور مرد کی رضایت

---

(۱)وسائل الشیعہ: ج۲۰،ص۱۴:عن ابی جعفرؑ قال''قال رسول اللہؐ ما یمنع المومن ان یتخذ اھلا لعل اللہ یرزقہ نسمۃ تثقل الارض بلا الہ الا اللہ''

(۲)بحارالانوار: ج۱۰۳،ص۲۲۰:قال النبیؐ'' تناکحوا تکثروا فانی ابا ھی بکم الامم یوم القیامۃ ولو بالسقط''

۲:لڑکی کے باپ یا دادا کی اجازت (اگر لڑکی باکرہ ہو)

۳: مہر معین کرنا (مہر جائداد یا پیسہ جو ادھار بھی ہوسکتا ہے)

۴: صیغۂ نکاح پڑھنا (مرد وعورت اگر عربی زبان سے واقف ہوں تو خود پڑھیں یا ان کے وکیل پڑھیں جو عربی زبان سے واقف ہوں)

صیغۂ نکاح کے جاری ہونے کے بعد عورت اور مرد کی انفرادی زندگی گھریلو زندگی میں تبدیل ہوجاتی ہے اور ان کے کاندھوں پر نئی ذمہ داریاں عائد ہوجاتی ہیں۔

زوجہ اور شوہر کے ایک دوسرے پر حقوق

ہر گھرانہ، اسلام کی نگاہ میں ہر سماج کی ایک اکائی ہے یعنی بڑے سماج انہیں چھوٹی اکائیوں سے وجود میں آتے ہیں اور یہ چھوٹی اکائی ایک مرد اور ایک عورت سے بنتی ہے اور تولید مثل کے ذریعہ وسعت پیدا کرتی ہے۔ گھر کے متعلقہ لوگوں کے درمیان ایک رابطہ قائم رہتا ہے اور وہ مشترکہ مقاصد اور منافع کے حامل ہوتے ہیں۔ گھر کے ایک شخص کی خوشبختی اور سعادت گھر کے دوسرے افراد سے وابستہ ہوتی ہے۔ لہٰذا عورت اور مرد کے لئے ضروری ہے کہ شادی کے بعد اپنے گھر کے تمام لوگوں کے بارے میں یکساں طور پر فکر کریں اور انفرادی فکروں سے پرہیز کریں۔ بیوی اور شوہر کا رابطہ دو شریکوں، دو پڑوسیوں، یا دو ساتھیوں کا رابطہ نہیں ہے بلکہ اس سے بہت بلند، وحدت کا رابطہ ہے۔

قرآن نے اس بارے میں بہت ہی دلچسپ مثالیں بیان کی ہیں:

''اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمھارا جوڑا تمہیں میں سے پیدا

کیا ہے تا کہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت قرار دی ہے کہ اس میں صاحبان فکر کے لئے بہت ساری نشانیاں پائی جاتی ہیں۔''(۱)

جملہ ''خلق لکم من انفسکم ازواجاً'' اتصال اور رابطہ کی شدت پر دلالت کرتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں زوجہ اور شوہر کے بارے میں ارشاد ہے:

وہ تمہارے لئے پردہ پوش ہیں اور تم ان کے لئے۔''(۲)

عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا لباس قرار دینا ان کے رابطہ اور تعلقات کو بتا رہا ہے جس طرح سے لباس دوسری چیزوں کے مقابلہ میں انسان کے جسم سے سب سے زیادہ نزدیک ہوتا ہے اور انسان کو اس کی بیحد ضرورت ہوتی ہے تا کہ گرمی اور ٹھنڈک سے محفوظ رہے۔ لباس اس کے عیوب کو چھپالے، اسے خوبصورت بنادے اور سکون قلب عطا کرے، عورت اور مرد بھی ایک دوسرے کے لئے ایسے ہی ہیں لہٰذا انہیں بھی ایسا ہی رہنا چاہئے۔

اسلام نے گھر کی بنیادوں کو مضبوط بنانے اور شوہر و زوجہ کے درمیان اچھے رابطے پیدا کرنے کے بارے میں خاص توجہ دی ہے، ان میں سے ہر ایک کے لئے کچھ فرائض اور حقوق بیان کئے ہیں۔ شوہر اور زوجہ کے ان فرائض اور حقوق کو ہم مختصر طور پر دو حصوں میں بیان کر سکتے ہیں:

ایک تو دونوں کا مشترک فریضہ ہے اور ایک مخصوص ہے یہاں پر ہم ان میں سے ہر ایک کی وضاحت کر رہے ہیں۔

---

(۱) روم(۳۰) آیت ۲۱: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ.

(۲) بقرہ(۲) آیت ۱۸۷: هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ.

مشترک فرائض اور حقوق

جن حقوق اور فرائض پر بیوی اور شوہر، دونوں کے لئے عمل کرنا ضروری ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ حسن معاشرت: بیوی اور شوہر کا رویہ ایک دوسرے کے ساتھ ہر لحاظ سے اچھا اور پسندیدہ ہونا چاہئے۔

جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

''اور ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔''(۱)

معروف، منکر کے مقابلہ میں رفتار کے معنی میں ہے جو شرعی اور عقلی اعتبار سے پسند کے قابل ہو، اگر چہ اس آیت میں مردوں سے خطاب ہے لیکن عورتوں کا بھی یہی وظیفہ ہے۔ لہٰذا اسی طرح بیوی اور شوہر کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے لئے مہربان، خوش اخلاق، حسن سلوک، ہنسی مذاق کرنے والے، ناصر و مددگار، غمخوار مؤدب، انصاف کرنے والے، رازدار، امین، وفادار، خیر خواہ، اور خوش اخلاق ہوں احادیث نے بھی عورتوں اور مردوں کو حسن معاشرت کی بہت زیادہ تاکید کی ہے۔

جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا:

''ایمان کے لحاظ سے عالی ترین شخص وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو اور تم میں سے وہ شخص اچھا ہے جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے انداز سے پیش آئے۔''(۲)

.....

(۱) نساء (۴) آیت ۱۹: وَعَاشِرُوهُن بالمَعْرُوفِ

(۲) بحار الانوار: ج ۱۰۷، ص ۳۸۹: عن النبی "قال اکمل المومنین ایماناً احسنهم خلقاً و خیارکم خیارکم لنسائه .

۲۔ ایک دوسرے کے لئے پرکشش رہنا: ایک دوسرے کے بارے میں بیوی اور شوہر کا یہ وظیفہ ہے کہ صاف ستھرے، کپڑے پہنیں اور سر و چہرہ کی آرائش میں ایک دوسرے کی پسند کا لحاظ رکھیں۔ اسلام نے عورت کو یہ تاکید کی ہے کہ گھر میں اپنے شوہر کے لئے اپنے کو آراستہ کرے، اچھے کپڑے پہنے، صاف ستھری رہے اور اچھی خوشبو کا استعمال کرے۔

اس سلسلہ میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے:

ایک عورت رسول خداؐ کی خدمت میں پہنچی اور اس نے آپؐ سے سوال کیا: مرد کا حق، عورت پر کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''عورت کا فرض یہ ہے کہ اچھی خوشبو لگائے ،اچھے کپڑے پہنے، بہترین زیور سے سجی رہے، صبح و شام اسی انداز سے اپنے کو شوہر کے سپرد کرے اور مرد کا حق اس سے زیادہ ہے۔''(۱)

اپنی بیوی کے بارے میں شوہر کا بھی یہی وظیفہ ہے کہ وہ بھی صاف ستھرا رہے، خوشبو لگائے ،اچھے کپڑے پہنے اور اپنے سر کے بالوں اور، داڑھی کو صحیح کرواتا رہے اور گھر والوں کے ساتھ اچھی زندگی گذارے۔

امام جعفر صادقؑ نے اپنے والد اور انہوں نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے:

آپ نے فرمایا: ''تمہارے لئے ضروری ہے اپنے کو اپنی بیوی کے لئے اس طرح

---

(۱) وسائل الشیعہ: ج ۲۰، ص ۱۵۸: عن ابی عبداللہؑ قال: جاء ت امراۃ الی رسول اللہؐ "وقالت یا رسول اللہؐ اما حق الزوج علی المراۃ (فی الحدیث الی ان) قال وعلیها ان تتطیب باطیب طیبها وتلبس احسن ثیابها وتتزین باحسن زینتها وتعرض نفسها علیه غدوۃ و عشیۃ واکثر من ذٰلک حقوقه علیها"

آمادہ کرو جس طرح ایک بیوی اپنے شوہر کے لئے آمادہ ہوتی ہے پھر امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: یعنی صفائی ستھرائی کا لحاظ رکھو۔''(۱)

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

''مرد کے اوپر عورت کا حق یہ ہے کہ اس کے لئے کھانے اور کپڑے کا بندوبست کرے اور اس کے ساتھ برے حُلیہ میں نہ رہے، اگر اس نے ایسا کیا تو گویا اس نے اپنے حق کو ادا کر دیا ہے۔''(۲)

حسن بن جہم کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام کاظمؑ کو دیکھا کہ آپؑ نے خضاب لگا رکھا تھا، تو میں نے آپؑ سے عرض کی میں آپ پر قربان ہو جاؤں آپؑ نے بھی خضاب لگا رکھا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: ہاں اگر شوہر اپنی بیوی کے لئے آراستہ ہو تو اس سے اس کی عفت میں اضافہ ہوتا ہے اور عفت کے دامن کو ان عورتوں نے چھوڑا ہے کہ جن کے شوہروں نے خود کو ان کے لئے آراستہ نہیں کیا تھا۔ پھر آپؑ نے فرمایا: کیا تم اس بات کو پسند کرتے ہو کہ جس طرح تم اپنی بیوی کے ساتھ رہتے ہو وہ بھی اسی طرح تمھارے ساتھ رہے؟ میں نے عرض کی نہیں، تو آپؑ نے فرمایا: تمہاری بیوی بھی تم سے یہی چاہتی ہے۔(۳)

---

(۱) مستدرک الوسائل: ج۱۴، ص۲۹۶: جعفر بن محمدؑ عن ابیه "عن جدةعلی بن حسینؑ عن علیؑ قال قال رسول اللهؐ: لیتهیا احدکم لزوجه کما تتهیا زوجته له .قال جعفر ابن محمدؑ یعنی یتهیا بالنظافة"

(۲) بحارالانوار: ج۱۰۳، ص۲۵۴: قال النبیؐ "حق المرأة علی زوجها ان یسد جوعتها وان یستر عورتها ولا یقبح لها وجهاًفاذا فعل ذالک فقد والله ادی حقها"

(۳) وسائل الشیعہ: ج۲۰، ص۲۴۶: حسن بن الجهم قال رایت ابا الحسنؑ اختضب فقلت جعلت فداک اختضبت؟فقال ان التهیئةمما یزید فی عفةالنساء ولقد ترک النساء العفةبترک ازوجهن التهیئة ثم قال ایسرک ان تراها علی ما تراک علیه اذا کنت علی غیر تهیئة قلت لا قال فهو ذالک'

۳۔ خواہشات نفس کی تسکین: اگر چہ شادی کا اصل مقصد صرف لذت حاصل کرنا اور جنسی خواہشات کو پورا کرنا نہیں ہے، لیکن یہ بھی شادی کا اہم اور بہترین مقصد ہے اور گھر کی بنیادوں کو مضبوط کرنے اور شوہر، بیوی کے روابط کو بہتر بنانے میں زیادہ اثر رکھتا ہے۔ اسی بنا پر شوہر اور بیوی کا ایک فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کی جنسی خواہشیں پوری کرتے رہیں۔ یعنی جب ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی جنسی خواہش کی رغبت ہو تو دوسرا بھی اس کی خواہش کا خیال رکھتے ہوئے اپنے کو اس کے لئے آمادہ کرے اور کسی طرح کی بہانہ بازی نہ کرے۔

پیغمبر اکرمؐ نے عورتوں کو یہ حکم دیا تھا:

''اپنی نمازوں کو اتنا طول نہ دو کہ اس سے تم شوہروں کو ان کی خواہش پوری نہ کرنے دو۔'' (۱)

زوجہ اور شوہر دونوں کے لئے ضروری ہے کہ جنسی عمل کو انجام دیتے وقت فقط اپنی لذت کے حصول کی فکر میں نہ رہیں، بلکہ اپنی شریک زندگی کی لذت اور جنسی خواہش کو پورا کرنے کی طرف بھی توجہ دیں کیونکہ جنسی خواہش کی اچھی طرح تسکین ہو جانے سے شوہر اور زوجہ کے رابطے مستحکم ہوتے ہیں۔ اور اس سے گھریلو ماحول کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''تم میں سے جب بھی کوئی اپنے شریک زندگی سے صحبت کرے تو جنسی عمل انجام دینے میں جلدی نہ کرے۔'' (۲)

---

(۱) گذشتہ حوالہ: ج ۲۰، ص ۱۶۴: ابو بصیر عن ابی جعفرؑ قال "قال رسول اللہؐ للنساء لا تطولن صلا تکن لتمنعن ازواجکن."

(۲) مستدرک الوسائل: ج ۱۴، ص ۲۲۱: عن علی قال "قال رسول اللہؐ اذا اتی احدکم امراته فلا یعجلها."

امام رضاؑ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے:

''عورت تم سے بعینہ وہی توقع رکھتی ہے، جو تمہیں اس سے توقع ہوتی ہے۔''(۱)

۴۔ بچوں کی پرورش اور تربیت: بچوں کی حفاظت و پرورش، ان کی صحت اور تندرستی اور ان کے جسم وروح کی تعلیم وتربیت ماں باپ کا مشترک فریضہ ہے اور اس کے لئے دونوں کی ہم فکری اور مدد وتعاون کی ضرورت ہے۔ البتہ باپ کی ذمہ داری اس فریضہ میں ماں سے سنگین تر ہے لیکن ماں کا کردار بیحد حساس اور مستقبل ساز ہے۔

زوجہ اور شوہر کے مخصوص فرائض

الف۔ شوہر کا فریضہ: مرد کے اوپر مشترک فرائض کے علاوہ کچھ اور فرائض بھی ہیں۔ کیونکہ اس کی خلقت کچھ مخصوص انداز سے ہوئی ہے، جس کی بنا پر اس کے اوپر کچھ خاص فرائض عائد ہوتے ہیں۔

ا: گھر کی سرپرستی اور حاکمیت: اسلام میں گھر کی ولایت، سرپرستی اور اسے چلانے کی ذمہ داری مردوں کے کاندھوں پر رکھی گئی ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

''مرد عورتوں کے حاکم اور نگراں ہیں ان فضیلتوں کی بنا پر جو خدا نے بعض کو بعض پر دی ہیں اور اس بنا پر کہ انہوں نے عورتوں پر اپنا مال خرچ کیا ہے۔ پس نیک عورتیں وہی ہیں جو شوہروں کی اطاعت کرنے والی اور ان کی غیبت میں ان چیزوں کی حفاظت

(۱) گذشتہ حوالہ: عن الرضاؑ فی الحدیث الی ان قال ''واشتهت منک مثل الذی تشتهیه منها.''

کرنے والی ہیں جن کی خدا نے حفاظت چاہی ہے۔"(۱)

گھر کے کام شوہر اور بیوی کی رضایت ،مشورہ ،اور دونوں کی مدد سے انجام پائیں کیونکہ سماج کا چھوٹا سا حصہ بھی دوسرے تمام معاشروں کی طرح ایک سرپرست ،مدیر اور اس کی تدبیر اور اختیارات کے بغیر اچھی طرح نہیں چل سکتا ہے ایسے زیادہ تر گھرانے جن کا کوئی سرپرست نہیں ہے ان کی صورت حال اچھی نہیں ہے۔لہٰذا یا تو عورت ان کی سرپرستی کی ذمہ داری کو قبول کرے یا مرد۔کیونکہ مرد عاقل ہونے کے اعتبار سے عورتوں پر برتری رکھتے ہیں اور گھر کی حفاظت اور گھر کے کاموں کو چلانے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور وہ سختیوں اور مشقتوں کو با آسانی تحمل کر سکتے ہیں لہٰذا ان کے کاندھوں پر یہ ذمہ داری رکھی گئی ہے۔اس کے برخلاف عورتیں عام طور سے حساس اور جذباتی ہوتی ہیں اور اس کے علاوہ ان کے اندر جذبات مردوں سے زیادہ ہوتے ہیں اسی بنا پر گھر کر بھلائی اسی میں ہے کہ وہ مرد کی سرپرستی کو قبول کریں اور گھر کے مہم کام کو اس کی رائے اور مشورہ سے انجام دیں اور جہاں پر دونوں کی رائے میں اختلاف پیدا ہو جائے وہاں مرد کے حکم پر عمل کریں۔

یہاں مرد کی سرپرستی سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی قدرت اور حکومت کو گھر والوں پر تھوپتا رہے،اس کا جو دل چاہے انجام دے اور گھر کے دوسرے لوگ اپنی رائے کا اظہار نہ کر سکیں۔کیونکہ ایک اچھا سرپرست اور مدیر اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ کسی بھی چھوٹی یا بڑی کمیٹی کو قدرت اور طاقت کے بل بوتے پر نہیں چلایا جا سکتا ہے،خاص طور سے گھر کے ماحول کے لئے آرام اور سکون کی ضرورت ہے۔کیونکہ وہ پرورش کی جگہ ہے

(۱)نساء(۴)،آیت۳۴:الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ.

اور ہر ملک کے مستقبل کی تعمیر اور ترقی کی جگہ ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کاموں میں آگے رہے گھر کو چلانے کے لئے پلاننگ کریں، گھر والوں کے مشورہ اور رائے اور مدد سے گھر کو چلانے اور مشکلات کے حل کرنے کے لئے فیصلہ کریں اور آخری بات اسی کی ہو۔

ایک سر پرست ہونے کے اعتبار سے مرد کی ذمہ داری کو ہم تین حصوں میں خلاصہ کر سکتے ہے۔

۱: گھر والوں کے اخراجات کو پورا کرنا، گھر والوں کے مشورہ اوران کی رائے سے کوئی پروگرام ترتیب دینا اور گھر کے حساب وکتاب کے بارے میں فکر کرنا۔

۲: گھر والوں کی حفاظت اوران کی نگرانی کرنا۔

۳: دینی، اخلاقی اور مذہبی تہذیب وتمدن کی نگرانی کرنا، گھر والوں کو دیندار بنانا اوران کی سعادت کے لئے ان کی جسمانی اور روحانی طاقت کو مضبوط بنانا اور حتی الامکان انہیں برائیوں سے محفوظ رکھنا۔

۲: نفقہ کا انتظام کرنا: اسلام کی نگاہ میں گھر کے اخراجات کو پورا کرنا، مرد کی ذمہ داری ہے۔

اسحاق بن عمار نے امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا:

عورت کا حق مرد پر کیا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: ''اس کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرے اوراس کی غلطیوں کو معاف کردے۔''(۱)

۳۔عزت واحترام: مرد کا فریضہ یہ ہے اپنی بیوی کی قدر ومنزلت کو پہچانے اوراس کو

(۱) مکارم الاخلاق: ج۱،ص ۲۴۸: سال اسحاق بن عمار ابا عبد اللهؑ عن حق المرأة علی زوجها؟قال یشبع بطنها ،و یکسو ها وان جهلت غفر لها.

اللہ کی عطا کی ہوئی ایک نعمت سمجھے ،اس کا احترام کرے ،اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے ،اس کی غلطیوں کو معاف کردے،اوراس کے اوپر بلا وجہ سختی نہ کرے۔ ایسے حسن سلوک کو اسلام عورت کا حق اور مرد کا فریضہ قرار دیتا ہے۔

جیسا کہ امام سجادؑ نے فرمایا ہے:

''تمہارے اوپر تمہاری بیوی کا حق یہ ہے کہ جان لو کہ خداوند عالم نے اس کو تمھارے سکون وآرام ومحبت کا ذریعہ قرار دیا ہے اور یہ خدا کی طرف سے تمھارے لئے ایک نعمت ہے۔لہٰذا اس کا احترام کرو اور اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ اگر چہ تم بھی اس پر حق رکھتے ہو، تمھیں چاہئے کہ اس کے لئے رحم دل رہو کیونکہ وہ تمھاری اسیر ہے۔اس کے کھانے اور کپڑے کا بندوبست کرو اور اگر غلطی کرے تو اسے معاف کردو۔''(۱)

۴: دینی اور اخلاقی امور کی نگرانی: مرد کا ایک وظیفہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی بیوی کے دینی اور اخلاقی مسائل کا خیال رکھے اور ان کاموں میں اس کی مدد کرے اور اگر وہ انہیں سیکھنا چاہتی ہے تو اس کے لئے وسائل فراہم کرے۔اس کے اخلاق اور کردار پر توجہ رکھے، اچھے کام کرنے کی طرف اسے دعوت دے،اور برے کاموں یا بداخلاقی سے منع کرے۔ مختصر یہ کہ اسے جہنم کی آگ سے بچائے اور جنت کی طرف لے جائے۔

یہ اس سرپرستی اور حکومت کا ایک اثر ہے جو مردوں کے سپرد کی گئی ہے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

---

(۱) بحارالانوار: ج۷۴،ص۵:قال علی بن الحسینؑ''واما حق الزوجه فان تعلم ان الله جعلها سكنا وانسا فتعلم ان ذالک نعمةمن الله علیک فتکرمها وترفق بها وان کان حقک علیها اوجب فان لها علیک ان ترحمها لانها اسیرک وتطعمها وتکسوها واذا جهلت عفوت عنها''

''ایمان والوں اپنے نفس اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔''(۱)

ب۔عورت کا فریضہ: اپنے شوہر کے بارے میں عورت کا بہت سنگین فریضہ ہے جن میں سے بعض کی طرف احادیث میں اشارہ ہوا ہے۔ان تمام فرائض کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ اچھی طرح سے شوہرداری کو انجام دے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا ہے:

''عورت کا جہاد یہ ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ اچھی طرح سے پیش آئے۔''(۲)

حدیث میں جو ''حسن تبعل'' (اچھی شوہرداری) آیا ہے، اگر چہ یہ ایک مختصر سا جملہ ہے لیکن اس کے بہت وسیع معنی ہیں۔ یہ تمام خوبیوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔یعنی جو عورت شوہر کی اچھی طرح خدمت کرے اور شوہر کی سرپرستی اور اس کے احکامات کو قبول کرے۔اس کی حفاظت کرے، گھر والوں اور بچوں کے سامنے اس کی حیثیت کو محفوظ رکھے، اپنے اہم کاموں میں اس سے مشورہ کرے، اس کے حکم کی اطاعت کرے، اگر گھر سے باہر جانے کے لئے اس سے اجازت مانگے اور وہ اس کی بھلائی کے لئے اسے اجازت نہ دے تو گھر سے باہر نہ جائے، اپنے اچھے اخلاق، نیک رفتار وکردار اور محبت سے شوہر کی دلداری کرے اور گھر کو اخلاص ومحبت کے گہوارہ میں تبدیل کردے، مشکلات اور پریشانیوں میں شوہر کی مدد کرے اور اس کی دل جوئی کرے، شوہر کے مال میں امین ہو، اسراف اور فضول خرچی سے پرہیز کرتی ہو، اچھے کاموں میں اس کی حوصلہ افزائی کرے،

(۱) تحریم(٦٦) آیت٦: یا ایها الذین آمنوا قو ا انفسکم واهلیکم ناراً وقودها الناس والحجارةَ

(۲) بحارالانوار: ج۱۰۳،ص۲۵۲ "جهادالمرأةحسن التبعل"

اپنے اچھے کپڑوں کو گھر کے اندر پہنتی ہو، اپنے شوہر کے لئے آراستہ ہو، ہمیشہ اپنے کو اس کے سپرد کئے رہے، گھر داری اور بچوں کی پرورش کے لئے کوشش کرے، راز دار، امین اور مہربان و دلسوز رہے...

ایسی عورت کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں: اس نے اچھی طرح شوہر کا خیال رکھا ہے اور اس کا عمل اس کی طرح ہے جس نے راہ خدا میں جہاد کیا ہے۔

احادیث میں چند چیزوں کی طرف زیادہ تاکید ہوئی ہے:

۱: جائز کاموں میں شوہر کی اطاعت۔

۲: شوہر کی جنسی تمکین کا سامان فراہم کرے البتہ ان مواقع کے علاوہ جو شرعی اعتبار سے ممنوع ہیں۔

۳: امانت داری اور شوہر کے اموال کی حفاظت۔

۴: عفت اور پاکدامنی کی حفاظت۔

۵: گھر سے نکلتے وقت اس کی اجازت لینا۔

امام جعفر صادقؑ نے اپنے والد سے اور انہوں نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہے:

اسلام کے بعد کسی بھی مسلمان کو اس طرح فائدہ حاصل نہیں ہوتا کہ جیسے ایک مسلمان بیوی سے حاصل ہوتا ہے، کہ جب اس کی طرف نگاہ کرے تو خوشی کا احساس کرے اور وہ اس کے حکم کی اطاعت کرتی ہے۔ اس کی عدم موجودگی میں اپنی اور اس کے اموال کی حفاظت کرتی ہے۔(۱)

(۱) وسائل الشیعہ: ج ۲۰ ص ۴۱: عن ابی عن ابائہؑ قال "قال النبیؐ ما استفاد امری مسلم فائدہ بعد الاسلام افضل من زوجہ مسلمۃ تسرہ اذا نظر الیھا وتطیعہ اذا امرھا وتحفظھا اذا غاب عنھا نفسھا ومالہ"

امام محمد باقرؑ نے فرمایا:

ایک عورت رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کی: یارسول اللہؐ عورت پر شوہر کا حق کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''شوہر کی اطاعت کرے، اس کی نا فرمانی نہ کرے، اس کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر صدقہ نہ دے، اس کی اجازت کے بغیر مستحبی روزہ نہ رکھے، جنسی خواہشوں کی تسکین میں اس کو منع نہ کرے اگر چہ اونٹ پر ہو، اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے۔''(۱)

عورت کا مہر اور اس کا فلسفہ

جب مرد کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو کوئی چیز اس عورت کو دیتا ہے۔ اسے شریعت کی زبان میں مہر اور صداق کہتے ہیں۔ اگر چہ قرآن میں لفظ مہر نہیں آیا ہے لیکن لفظ صداق استعمال ہوا ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

''عورتوں کو ان کا مہر ادا کردو پھر اگر وہ خوشی خوشی تمھیں دینا چاہیں تو شوق سے کھالو۔''(۲)

---

(۱) گذشتہ حوالہ: ص۱۵۸: عن ابی جعفرؑ قال ''جاء ت امراة الی النبیؐ فقالت: یا رسول الله! ما حق الزوج علی المرأة؟ فقال لها: ان تطیعه ولا تعصیه ولا تصدق من بیته الا باذنه ولا تصوم تطوعاً الا باذنه ولا تمنعه نفسها وان کانت علی ظهر قتب ولا تخرج من بیتها الا باذنه''

(۲) نساء(۴) آیت۴: وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا

مہر کے لئے معین مقدار ذکر نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کا تعلق ان دونوں کی رضایت سے ہے۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے:

''مہر وہ چیز ہے جس پر مرد اور عورت راضی ہو جائیں چاہے وہ کم ہو یا زیادہ۔''(۱)

مہر کی کم سے کم مقدار اگر چہ معین نہیں کی گئی ہے، لیکن حدیثوں میں آیا ہے کہ مہر بہت معمولی (مختصر اور حقیر) چیز بھی نہ ہو۔

امام جعفر صادقؑ نے اپنے والد اور آپ نے حضرت علیؑ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ مہر کی مقدار دس درہم سے کم ہوتا کہ وہ اس اجرت کی طرح نہ ہو جائے جو بدکار عورت کو دی جاتی ہے۔''(۲)

مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار بھی معین نہیں کی گئی ہے۔ اس کی مقدار جتنی زیادہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اسلام نے زیادہ مہر رکھنے اور اس میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کو زوجہ و شوہر کی مصلحت کے خلاف قرار دیا ہے اور اس سے منع کیا ہے۔

امیر المومنینؑ نے فرمایا:

''عورتوں کا مہر زیادہ نہ رکھو اور اس میں اضافہ کے لئے مقابلہ آرائی نہ کرو کہ اس سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔''(۳)

---

(۱) وسائل الشیعہ: ج۲۱، ص۲۴۰: قال ابو جعفرؑ "الصداق ما تراضیا علیه من قلیل او کثیر فهذا الصداق"

(۲) گذشتہ حوالہ: ص۲۵۳: جعفر بن محمدؑ عن آباه عن علیؑ "قال انی اکره ان یکون المهر اقل من عشرة دراهم لئلا یشبه مهر البغی"

(۳) گذشتہ حوالہ: ص۲۶۶: قال "لاتغالوا بمهور النساء فتکون عداوة"

مہر کی مقدار اتنی زیادہ نہیں رکھنا چاہئے کہ جوانوں کے لئے شادی کرنا ممکن نہ رہے لہٰذا اس کام میں افراط وتفریط سے پرہیز کرنا ضروری ہے بلکہ لڑکے اور لڑکی کے معاشی حالات ،ان کی سماجی شخصیت، گھریلو حیثیت اور مالی حالت کو مدنظر رکھ کر ہی مناسب اور متوسط مقدار میں مہر طے کرنا چاہئے۔

مہر کیسا ہو اس بارے میں کسی خاص شرط کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ ہر طرح کا مال مہر بن سکتا ہے۔ جیسے: سونا، چاندی، ملکیت، ہر طرح کے رائج سکے، گھر کے سامان، قالین، برتن ،گاڑی، کپڑے یا وہ چیز جو ملکیت بن سکے۔ البتہ عورت کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ اپنا مہر حتی الامکان کوئی ملکیت جیسے: سونا، چاندی، یا اس جیسی دوسری چیز قرار دے تا کہ وہ اس کے لئے ذخیرہ رہے اور وقت گذرنے کے ساتھ اس کی قیمت میں کمی نہ آئے۔

مہر، نقد بھی ہوسکتا ہے اور ادھار بھی، خود شوہر کے ذمہ ہو یا کوئی دوسرا بھی دے سکتا ہے۔ لیکن اس کے لئے مرد اور عورت کی رضایت ضروری ہے۔ اگر مہر نقد ہو تو عورت نکاح سے پہلے اس کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ اگر مرد دے سکتا ہے تو اسے ادا کردینا چاہئے۔ اگر وہ ادا نہ کرے تو عورت کو حق ہے کہ اسے جنسی عمل سے منع کردے اور یہ کہ تمکین نہ کرے۔ اس سے وہ ناشزہ نہ ہوگی اور نہ ہی اس کا نفقہ ساقط ہوگا۔

اگر مہر ادھار ہو اور اس کی ادائیگی کا وقت مقرر ہو تو عورت مقررہ وقت سے پہلے اس کا مطالبہ نہیں کرسکتی، اگر وقت معین نہ ہو تو عورت کا جب دل چاہے وہ اس کا مطالبہ کرسکتی ہے اور اگر مرد ادا کرسکتا ہے تو اس کے لئے ادا کرنا ضروری ہے۔ مہر ملکیت ہو یا نقد پیسہ، اس کی حقیقی مالک صرف عورت ہے اور کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر اس کے مال میں تصرف کرے یہاں تک کہ ماں، باپ اور شوہر کو بھی یہ حق نہیں ہے حتی کہ اس کا

نفع بھی عورت ہی کے لئے ہے۔

رسول خداؐ نے فرمایا:

''قیامت کے دن خدا ہر گناہ کو بخش دے گا سوائے اس شخص کے گناہ کے جو عورت کا مہر غصب کر لے یا مزدور کی اجرت نہ دے یا آزاد انسان کو غلام کے عنوان سے بیچ دے۔''(۱)

امام موسیٰ کاظمؑ سے سوال کیا گیا:

''کیا باپ اپنی بیٹی کے مہر کو خرچ کر سکتا ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: نہیں اسے یہ حق حاصل نہیں ہے۔''(۲)

اگر مہر، مرد کے ذمہ ادھار ہو اور وہ قرض اس پر باقی ہو تو مطالبہ کے وقت پہلی فرصت میں اسے ادا کر دینا چاہئے۔

ایک شخص نے کسی عورت سے عقد کیا مگر اس کا یہ ارادہ تھا کہ اسے مہر نہیں دے گا تو اس کے بارے میں حضرت امام جعفر صادقؑ نے یہ فرمایا:

''یہ کام زنا شمار ہوگا۔''(۳)

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

---

(۱) گذشتہ حوالہ: ۲۶۶ قال رسول اللہؐ ''ان اللہ لیغفر کل ذنب یوم القیامة الا مهر امراة ومن اغتصب اجیراً اجره ومن باع حراً''

(۲) گذشتہ حوالہ: ص ۲۷۲: احمد بن ابی نصر قال سُأل ابوالحسنؑ الاول عن الرجل یزوج ابنته اله ان یاکل صداقها ؟قال لا لیس ذالک له''

(۳) گذشتہ حوالہ: ص ۲۶۶: فضیل بن یسار عن ابی عبد اللہؑ فی الرجل یتزوج المرأة ولا یجعل فی نفسه ان یعطیها مهرها فهوا زنا.

جو شخص اپنی زوجہ کا مہر طے کر لے لیکن وہ یہ ارادہ رکھتا ہو کہ اسے ادا نہیں کرے گا تو وہ چور کی طرح ہے۔(۱)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے والد گرامی اور آپؑ نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''جو شخص اپنی بیوی کا مہر ادا نہ کرے خداوند عالم کے نزدیک اس کا شمار بد کاروں میں ہوتا ہے اور خدائے عزیز اور جلیل قیامت کے دن اس سے کہے گا: میں نے اپنی ایک کنیز کو تیری زوجیت میں دیا، اپنے عہد و پیمان کے ساتھ، لیکن تو نے میرے عہد و پیمان کو وفا نہیں کیا اور میری کنیز پر ظلم وستم کیا ہے۔ چنانچہ خدا اس کی بیوی کے حق (مہر) کے برابر مرد کی نیکیوں کو لے کر عورت کو دیدے گا اور اگر اس کی نیکیاں باقی نہیں بچیں گی تو حکم دیا جائے گا اسے آگ میں ڈال دو کیونکہ اس نے اپنے اس وعدہ کو پورا نہیں کیا ہے جس کا وہ ذمہ دار تھا۔''(۲)

مہر کا فلسفہ

عین ممکن ہے کوئی شخص شریعت میں مہر کا قانون بنائے جانے کے بارے میں ہی

---

(۱) گذشتہ حوالہ: عن ابی عبد اللہؑ قال من امهر مهراً ثم لا ینوی قضائه کان بمنزلة السارق.

(۲) گذشتہ حوالہ: ص ۲۶۷: عن الصادقؑ عن آباءؑ عن النبیؐ "فی الحدیث المناهی قال من ظلم امراة مهرها فهو اعند الله زنا یقول الله یوم القیامة عبدی زوجتک امتی علی عهدی فلم توف بعهدی وظلمت امتی فیوخذ من حسناته فیدفع الیها بقدر حقها فاذا لم تبق له حسنة امر به الی النار بنکثه للعهد کان مسولاً

اعتراض کرے اور یہ کہے کہ عورت اور مرد دونوں ہی جنسی خواہش کی وجہ سے ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور اسی وجہ سے ایک دوسرے کی طرف رغبت پیدا کرتے ہیں اور شادی کرتے ہیں تو پھر مہر کی کیا ضرورت ہے؟ مہر کے شرعی قانون کے ذریعہ تو عورت ذلیل ہو جاتی ہے اور عام چیز کی طرح یہ بھی ایک لین دین ہے اور مرد، عورت کا مہر ادا کر کے اسے کنیز کی طرح اپنی ملکیت میں لے لیتا ہے۔

اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ اسلام نے عورت کو نہ تو کوئی جنس قرار دیا ہے اور نہ ہی اسے کنیز شمار کیا ہے اور نہ مہر کو اس لین دین کی قیمت سمجھا ہے۔ بلکہ مہر ایک عطیہ اور تحفہ ہے جو مرد اپنی زوجہ کو دیتا ہے تا کہ اس کے احترام اور اس سے اپنی محبت کا اظہار کر سکے۔ اس کی وضاحت اور مہر کے شرعی ہونے کو بیان کرنے کے لئے دو نکتوں کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

پہلا نکتہ: اگر چہ عورت اور مرد جنسی خواہش کے لحاظ سے ایک دوسرے کے محتاج رہتے ہیں اور فطرتاً ایک دوسرے کی قربت کے خواہش مند بھی ہوتے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کچھ خصوصیات کا حامل ہے۔

عورت کی ایک صفت نرم و نازک اور خوبصورت ہونا ہے اور اسی وجہ سے وہ مردوں کے لئے کشش کا سبب بنتی ہیں۔ عورت کے پر کشش ہونے کا اہم سبب اس کی خوبصورتی ہے، جس کی بنا پر مرد اس کے اوپر خاص توجہ دیتے ہیں اور ہر عورت کو اپنی فطرت اور سرشت کی بنا پر اس کا بخوبی علم ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے کو سجاتی، سنوارتی ہے تا کہ اپنے کو خوبصورت بنا کر پیش کر سکے اور مردوں کے دلوں میں زیادہ سے زیادہ نفوذ پیدا کر سکے۔

عورت کی دوسری صفت یہ ہے کہ اگر چہ اس کے اندر بھی جنسی خواہش ہوتی ہے، لیکن

وہ اپنی جنسی خواہش کو پوشیدہ رکھنے میں مردوں سے زیادہ ضبط وتحمل کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اپنے کو بے نیاز ظاہر کرتی ہے۔ اور لڑکے کے یہاں رشتہ لے کر نہیں جاتی بلکہ وہ اس بات کو ترجیح دیتی ہے کہ مردوں کے دلوں میں نفوذ پیدا کر سکے، ان کو اپنا گرویدہ بنالے، ان کو اپنے یہاں رشتہ لانے پر مجبور کرے۔ عورت کا بناؤ، سنگار، خودنمائی و ناز، وادائیں یہیں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر عورت ہر چیز سے زیادہ مرد کے دل کو اپنے قبضہ میں کرنے اور اسے اپنا دلدادہ بنانے کی کوشش کرتی ہے۔

لیکن کیونکہ مرد اپنی جنسی طاقت کا مقابلہ کرنے میں کمزور ہوتا ہے اور وہ اپنی اندورنی خواہش کو دبا کر نہیں رکھ سکتا اسی لئے لڑکا، لڑکی کے گھر رشتہ لے کر جاتا ہے اور اسے اپنی ہمسری کے لئے طلب کرتا ہے اور اس کا خواہاں ہو جاتا ہے اور جب اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ عورت بھی اس رشتہ سے راضی ہے اور وہ بھی اس کی خواہشمند ہے اور اس کو پسند کرتی ہے۔ تو وہ اس سے مزید اظہار محبت کرتا ہے اور گویا اسے اپنا دل دے بیٹھتا ہے اور مختصر یہ کہ وہ اس کی اداؤں کا خریدار بن جاتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی اس اندرونی محبت کو ہر چیز کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے مختصر یہ کہ اس کے لئے پیسہ خرچ کرتا ہے، اس کے لئے تحفہ خریدتا ہے اور اس کے بعد ہی نکاح اور شادی کا جشن منعقد کرتا ہے۔

مہر بھی دراصل انہیں راستوں میں سے ایک راستہ ہے۔ یعنی مرد بیوی سے اپنی قلبی محبت کو ثابت کرنے کے لئے اور اسے محترم ثابت کرنے کے لئے، نیز اس کے دل کو اپنی مٹھی میں لینے کے لئے کوئی چیز اسے مہر کے عنوان سے دیتا ہے۔

قرآن نے بھی مہر کی یہی شکل وصورت بیان کی ہے کیونکہ اسے اس عبارت (صدقاتھن) کے ذریعہ بیان کیا ہے اور اس کو ''نحلہ'' کے عنوان سے بتایا ہے کہ جو عطیہ

کے معنی میں ہے، یہ مہر کے شرعی ہونے کا ایک فائدہ اور فلسفہ ہے۔

دوسرا نکتہ: مہر کے معاہدہ سے عورت سکون واطمینان پیدا کرتی ہے تا کہ وہ ان فرائض کو پورا کر سکے کہ جو فطرت نے اس کے کاندھوں پر رکھے ہیں۔ اگر چہ عورت اور مرد شادی کے وقت ایک دوسرے سے یہ عہد کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کا خیال رکھیں گے اور بچوں کی پرورش اور دیکھ بھال میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں گے۔ البتہ کچھ لوگ اس کے بر خلاف سامنے آتے ہیں کہ مرد اپنے فریضہ پر عمل نہیں کرتا اور گھر کے اور بچوں کے مخارج ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ اسی طرح فطرت نے کچھ ذمہ داری عورت کے کاندھوں پر ڈالی ہے کہ وہ اس کو چھوڑ نہیں سکتی۔ کیونکہ مرد کسان اور عورت کھیت کے مانند ہے۔ وہ اپنے نطفہ کو عورت کے رحم کی طرف منتقل کرتا ہے اور اس کے بعد فطرتاً آزاد ہے۔ مرد شرعی ،قانونی اور اخلاقی لحاظ سے بیوی اور بچوں کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ لیکن کیونکہ فطرت نے کوئی چیز اس کے کاندھوں پر نہیں ڈالی ہے، لہٰذا وہ ایک بچہ کو ماں کے رحم میں چھوڑ کر فرار کر سکتا ہے، البتہ اکثر مرد ایسے نہیں ہوتے ہیں لیکن بہر حال اس کا امکان ہے اور اس طرح کے نمونہ بھی دیکھنے کو ملتے ہیں۔

لیکن عورت اس طرح آزاد نہیں ہے۔ بلکہ وہ حمل اور پیدائش کے دشوار زمانے اور اس سے پیدا ہونے والی کمزوری کو برداشت کرنے پر مجبور ہے اور بچہ کی ولادت کے بعد بھی وہ کمزور اور بے گناہ بچہ کو چھوڑ نہیں سکتی اور اس کو بھوکا نہیں رکھ سکتی۔ بلکہ وہ فطرتاً مجبور ہے کہ اسے دودھ پلائے اور اس کی دیکھ بھال کرے۔ ماں کے اندر اپنے بچہ سے جو مامتا ہوتی ہے اس کی وجہ سے وہ اسے نہیں چھوڑ سکتی بلکہ وہ مجبور ہوتی ہے کہ اس کی دیکھ بھال بھی کرے۔

وہ اس زمانے میں گھر کے اخراجات، گھر، کھانے، اور کپڑے کی محتاج ہے۔ ایسی حالت میں وہ بیچاری عورت کیا کرے؟ لہٰذا عورت عام طور سے ایسے احتمالی حالات کی وجہ سے پریشان رہتی ہے۔ شاید مہر کے شرعی ہونے کی ایک علت، عورتوں کو سکون اور اطمینان عطا کر کے ایسے حالات سے محفوظ رکھنا ہو کہ اگر مہر ملکیت یا نقد پیسہ ہے تو عورت اسے لے کر احتمالی ضرورتوں کے لئے محفوظ کر لیتی ہے اور اگر مہر ادھار ہے تب بھی اس کا مطالبہ کر سکتی ہے۔

مختصر سی بات یہ ہے کہ مہر کو عورت کے دل کی ڈھارس اور اس کی شادی کی پشت پناہی کا ایک وسیلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ امام صادقؑ نے فرمایا:

''مہر ادا کرنا مردوں کے ذمہ ہے نہ کہ عورتوں کے ذمہ، اگر چہ ان دونوں کا کام ایک جیسا ہی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مرد کی جنسی خواہش عورت سے پوری ہو جاتی ہے تو وہ اٹھ جاتا ہے اور عورت کا منتظر نہیں رہتا۔ اسی وجہ سے مہر مرد کے ذمہ قرار دیا گیا ہے۔ ''(۱)

(۱) وسائل الشیعہ: ج۲۱، ص۲۶۸: قال الصادقؑ قال انما ضار الصداق على الرجل دون المرأة وان كان فعلهما واحداً لان الرجل اذا قضى حاجته منها قام عنها ولم ينتظر فراغها فصار الصداق عليه دونها لذالک.

نفقہ اوراس کا فلسفہ

اسلام کی نظر میں گھر اور زوجہ کے تمام مخارج ادا کرنا مرد کی ذمہ داری ہے اور مرد کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے تمام اخراجات کو پورا کرے، چاہے بیوی شوہر سے زیادہ ثروتمند ہی کیوں نہ ہو۔ نفقہ کا واجب ہونا اسلام کا ایک قطعی حکم ہے اور زوجہ کا شرعی حق ہے۔ اگر مرد اس کو نہ ادا کرے تو اس کے اوپر قرض کے عنوان سے باقی رہے گا اور مطالبہ کے وقت ادا کرنا پڑے گا اور اگر ادا نہ کرے تو حاکم شرع عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔

جیسا کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے:

''جو شخص کسی عورت سے شادی کرے اور اس کے کپڑے اور کھانے کا انتظام نہ کرے تو امام (حاکم شرع) کا فریضہ ہے کہ ان کے درمیان جدائی کرادے۔''(۱)

اسحاق بن عمار کہتے ہیں:

''میں نے امام صادقؑ سے عرض کیا: بیوی شوہر پر کیا حق رکھتی ہے؟ تو آپؑ نے فرمایا: مرد اس کے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرے اور اس کی غلطیوں کو معاف کردے۔''(۲)

نفقہ: ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جو انسان کی زندگی کے لئے ضروری ہو اور وقت، حالات، اور اس کی گھریلو حیثیت کے مطابق ہوں جیسے:

---

(۱) گذشتہ حوالہ: ص۵۰۹: ابو بصیر قال سمعت ابا جعفرؑ ''یقول من کانت عنده امراة فلم یکسها ما یواری عورتها ویطعمها ما یقیم صلبها کان حقاً علی الامام ان یفرق بینهما''

(۲) گذشتہ حوالہ: ص۵۱۰: اسحاق بن عمار قال قلت لابی عبداللهؑ ''ما حق المرأة علی زوجها الذی اذا فعله کان محسناً؟ قال ''یشبعها، ویکسوها، وان جهلت غفر لها''

۱: کھانا، پھل اور دوسری ضرورتیں معمول کے مطابق۔

۲: سردی اور گرمی کے کپڑے جو اس کی شان کے مطابق ہوں۔

۳: بستر، تکیہ، پلنگ، تخت وغیرہ۔

۴: کھانا پکانے اور کھانے پینے کا سامان۔

۵: گھر کو گرم یا ٹھنڈا رکھنے کے وسائل (پنکھا، کولر، انگیٹھی وغیرہ)

۶: ذاتی گھر یا کرایہ کا گھر جو، اس کی حیثیت کے مطابق ہو اور اس میں گھر والوں کے لئے سکون فراہم ہو سکے۔

۷: علاج کے اخراجات۔

۸: صفائی اور بناؤ، سنگار کے سامان اور دوسری ضروریات زندگی۔

ایک اعتراض

نفقہ کے بارے میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ شریعت کا یہ حکم عورت کی حقارت کا سبب ہے اور اس طرح وہ ایک نوکر کی طرح ہو جائے گی، کہ جسے مزدوری دی جائے۔ لہٰذا عورت بھی اپنے روزمرہ کے سخت اور دشوار کاموں کے عوض صرف کھانا اور کپڑا حاصل کرتی ہے۔

جواب: اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے: مذکورہ اعتراض کی وجہ اعتراض کرنے والے کی دشمنی اور ناواقفیت ہے کیونکہ اسلام کی نگاہ میں گھر کا کام، کاج عورت کے ذمہ نہیں ہے یہاں تک کی بچوں کی دیکھ بھال ان کی خدمت اور ان کو دودھ پلانے کی ذمہ داری بھی اس کے کاندھوں پر نہیں رکھی گئی ہے۔

ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ عورت کو حقیر بنادیا گیا ہے اوروہ ایک مزدور کی طرح ہے جو مزدوری لے کر کام کرتا ہے۔ البتہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اگر چہ کام، کاج اوراس کا نظم ونسق عورت کا شرعی وظیفہ نہیں ہے، لیکن اسے گھریلو انس ومحبت اورایک اخلاقی ضرورت کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے جیسا کہ حدیثوں میں ''حسن التبعل'' کے عنوان سے بیان ہوا ہے، ایک آئیڈیل عورت جو گھر کے ماحول کو پرسکون اور پیار ومحبت سے بھرا ہوا بنانا چاہتی ہے وہ گھر کی دیکھ، بھال اور گھر کے کاموں میں حد درجہ کوشش کرتی ہے، لیکن اپنے شوق اور لگن سے، نہ کہ زبردستی۔ جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ کی بیویوں یا آپ کی بیٹی جناب فاطمہؑ زہرا اور ائمہ اطہارؑ یا دوسرے بزرگان اسلام کی بیویوں نے ایسا ہی کردار پیش کیا ہے۔

سوال: جب مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کی جنسی خواہش کے پورا کرنے، بچوں کی پیدائش اوران کی تربیت کے لئے ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہیں تو پھر گھر کے تمام مخارج یہاں تک کہ عورت کے ذاتی اخراجات مرد کے ذمہ کیوں رکھے گئے ہیں؟ ایسا کیوں ہے کہ صرف مرد کام کرے اور عورت کھائے، پئے اور سو جائے یہاں تک کہ گھر کے کام بھی نہ کرے۔ کیا یہ مرد پر ظلم نہیں ہے؟ لہٰذا عورت کا خرچ مرد سے کیوں لیا جائے کہ اسے مجبور ہو کر اس کی اطاعت کرنا پڑے، اس کا ظلم برداشت کرنا پڑے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ مرد اور عورت دونوں مل کر کام کریں اور گھر کے مخارج کو ایک دوسرے کی مدد سے پورا کیا کریں۔

جواب: اس سوال کے جواب میں ہم چند اہم باتوں کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

۱: خالق فطرت نے عورت کے کاندھوں پر بہت ہی بڑی ذمہ داری رکھی ہے اور وہ

اسے پورا کرنے پر مجبور ہے۔ جیسے: اپنی کوکھ سے بچوں کو پیدا کرنا، بچہ کو دودھ پلانا، اس کی دیکھ بھال، حفاظت اور تربیت کرنا اور ان ذمہ داریوں کو انجام دینے کے لئے اسے وقت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اگر عورت دوسرے کام کرے گی تو یہ ذمہ داری انجام دینے کے لئے اس کے پاس وقت نہیں رہ جائے گا۔

۲: عورت ہر مہینہ چند دن ضرور اپنی خاص عادت (ماہواری) سے دوچار ہوتی ہے اور ان دنوں میں اسے آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔

۳: گھر داری اور شوہر داری اگر چہ شرعی اور قانونی اعتبار سے عورت کی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن پھر بھی وہ اخلاقی آداب ورسوم کی بنا پر انہیں چھوڑ نہیں سکتی ہے۔ کیونکہ یہ گھریلو زندگی کے لوازمات میں شامل ہے نیز یہ گھر کے ماحول کو بہتر بنانے اور مرد کو خوش رکھنے کے لئے بہت موثر ہے۔

۴: عورت نرم ونازک، لطیف اور خوبصورت مخلوق ہے۔ شوہر کے لئے اس کی جاذبیت اور محبوبیت کا اہم راستہ اس کی لطافت اور خوبصورتی ہی ہے۔ باہر جا کر کام کرنے یا سخت اور تھکا دینے والے کاموں کو انجام دینے سے اس کی نزاکت اور خوبصورتی پر برا اثر پڑتا ہے اور اس سے شوہر کی نظر میں اس کی جذابیت اور محبوبیت کم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ نہ اس کے فائدہ میں ہے اور نہ اس کے شوہر کے لئے مفید ہے اور اگر یہ طے ہو جائے کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح گھر کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے کام کریں تو پھر وہ کام کے انتخاب کرنے میں مردوں سے رقابت کریں گی اور کبھی کبھی سخت کام کرنے پر مجبور ہو ں گی۔ مثلاً: کانوں میں کام کرنا، لوہا پگھلانے کی بھٹی گاڑیوں کے کارخانے، بھٹے، تیل ریفائینری، گھر بنانا، ریل کی پٹری بچھانا، بھاری سامان اٹھانا، بڑے ٹرکوں میں ڈرائیور ہونا

اوراسی طرح کے دوسرے تھکا دینے والے کام خاص طور سے رات میں کام کرنا۔

اگر گھر کے اخراجات چلانے کے لئے مرد اور عورت دونوں کے اوپر کام کرنا لازمی ہو اوران دونوں کو برابر سے کام کرنا پڑے تو انہیں مذکورہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جو کچھ بیان ہوا اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عورتوں کے لئے مردوں کی طرح کام کرنا اور گھر کے اخراجات کو چلانا لازمی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے گھر کے اخراجات کو مرد کے ذمہ رکھا ہے تا کہ عورت چین اور سکون واطمینان کے ساتھ ان ذمہ داریوں کو انجام دے سکے جو قدرت نے اس کے کاندھوں پر ڈالی ہیں۔ بچوں کی دیکھ بھال اوران کی صحیح پرورش کے لئے اپنی شادابی اور خوبصورتی کو محفوظ رکھے اور مرد کے دل میں اپنے مقام ومنزلت کو قائم رکھے اور گھر کو محبت وسکون کی جگہ بنائے۔

اس صورت میں مرد بھی سکون واطمینان اور بیوی، بچوں کی محبت نیز زندگی سے لگاؤ کی بنا پر گھر کے اخراجات کو پورا کرے گا اور اپنی بیوی کو خوش رکھنے کے لئے اپنی پوری کمائی خوشی خوشی اسے دیدے گا۔ اسلام نے اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے، عورت ومرد اور بچوں کی بھلائی کو مدنظر رکھتے ہوئے اور گھریلو زندگی کو مستحکم بنانے کے لئے نفقہ کی ذمہ داری مرد کے کاندھوں پر رکھی ہے اور بلا وجہ کسی کی طرف داری نہیں کی یا کسی کی ذمہ داریوں میں اضافہ نہیں کیا ہے۔

عورت اور مرد کی بھلائی اسی میں ہے کہ نفقہ کی ذمہ داری مرد کے اوپر ہو اور عورت مالی اعتبار سے مرد کے بھروسہ رہے۔ مرد عورت کا طلبگار اور اس کا چاہنے والا ہوتا ہے لہٰذا وہی اس کے اخراجات کو پورا کرے۔ چنانچہ وہ بھی اس کام سے نہ صرف یہ کہ ناراض نہیں ہوتا ہے بلکہ پوری طرح راضی رہتا ہے اور اپنی شخصیت کا خیال رکھتا ہے۔ مالی اعتبار سے عورت

کا دارومدار مرد کے اوپر اس کے لئے نقصان دہ نہیں ہے اور اس سے وہ مزدور کی مانند نہیں ہوجاتی جو مزدوری لے کر کام کرے بلکہ اس سے گھریلو زندگی کو مضبوط بنانے میں مدد ملتی ہے۔ اصولاً یہ ایک مشترکہ گھریلو زندگی کی شروعات کر چکے ہیں اور مرد بھی گھر کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اس گھر سے تعلق رکھتا ہے لہٰذا مالی اعتبار سے عورت کی آزادی یا مرد پر اس کے دارومدار کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

اس بحث کے خاتمہ پر ہم آپ کی توجہ کو اس نکتہ کی طرف موڑ رہے ہیں کہ نفقہ کے شرعی حق ہونے اور اسے مرد کی ذمہ داری قرار دینے سے اسلام کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا کہ عورت گھر میں بے کار بیٹھ کر صرف شوہر کی کمائی کو خرچ کرتی رہے اور گھر کے باہر کے کاموں اور ذمہ داریوں کو بالکل انجام نہ دے بلکہ اسلام یہ چاہتا تھا کہ عورت آمدنی والے کام کرنے اور گھر کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے مجبور نہ ہو لیکن وہ اپنی صلاحیتوں سلیقہ اور امکانات کو مدنظر رکھتے ہوئے، شوہر کی اجازت لے کر اپنے لئے مناسب کام چن لے اور اپنے وظیفہ کو انجام دے اور اس راستہ سے آمدنی حاصل کرے البتہ مناسب ہے اس کی یہ آمدنی اسی کی ملکیت رہے اور وہ مجبور نہ رہے کہ اسے گھر میں خرچ کرے۔ البتہ ایک اچھی عورت اپنی کمائی کو خلوص کے ساتھ شوہر کی طرف سے اپنے گھر والوں پر خرچ کر دیتی ہے تا کہ اپنے گھر کو چلانے میں وہ بھی حصہ دار ہو سکے اور گھر کے سکون واطمینان اور پیار ومحبت میں اضافہ کر سکے۔

اسلام میں عورت کی میراث

اسلام کی نگاہ میں عورت اور مرد ایک جیسا حق رکھتے ہیں انہیں حقوق میں سے وہ دونوں کام کرنے، مال حاصل کرنے اور ملکیت یا میراث پانے میں مشترک ہیں اور دونوں ایک دوسرے سے میراث پاتے ہیں۔

قرآن فرماتا ہے:

''مردوں کے لئے ان کے والدین اور اقرباء کے ترکہ میں ایک حصہ ہے اور عورتوں کے لئے بھی ان کے والدین اور اقرباء کے ترکہ میں سے ایک حصہ ہے وہ مال بہت ہو یا تھوڑا یہ حصہ بطور فریضہ ہے۔''(۱)

اس آیت میں یہ بات صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے کہ عورتیں مردوں کی طرح ارث حاصل کرتی ہیں اور ان کا ایک معین حصہ ہے۔

میراث کی آیت اس وقت نازل ہوئی جب دنیا میں اور خاص طور سے جاہلیت کے زمانے میں عورت کا کوئی مقام اور مرتبہ نہیں تھا۔ بلکہ زمانۂ جاہلیت کا جاہل مرد یہ خبر سن کر شرمندہ ہو جاتا تھا کہ وہ ایک لڑکی کا باپ بن گیا ہے۔ اسی لئے اکثر اوقات خود باپ اپنی بے گناہ بیٹی کو زندہ درگور کر دیتا تھا اور مرنے والے کا مال فقط بیٹوں یا بڑے بیٹے کو ملتا تھا اور لڑکیاں میراث سے محروم رہتی تھیں مگر یہ کہ باپ نے اپنی وصیت میں کوئی چیز ان کے نام کر

---

(۱) نساء (۴) آیت ۷: لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا

دی ہو یا بھائی اپنی بہن پر رحم کھا کے کوئی چیز اسے دے دے۔ اسی وجہ سے جب میراث کی آیت نازل ہوئی اور عورتوں کے لئے بھی میراث معین ہوئی تو بعض لوگوں کو میراث کے شرعی ہونے پر تعجب ہوا۔

امام فخر رازی نے اس آیت کی شان نزول کے بارے میں یہ لکھا ہے:

ابن عباس نے بیان کیا ہے اوس بن ثابت انصاری کا انتقال ہوگیا اوران کی تین بیٹیاں اور ایک بیوی تھی۔ اس کے علاوہ ان کے دو چچازاد بھائی آئے کہ جن کے نام ''سوید'' او ''عرفجہ'' تھے وہ ان کے وصی تھے۔ چنانچہ وہ ان کے اموال کو لے گئے۔ اوس کی زوجہ رسول اکرمؐ کی خدمت میں پہنچی اور آپؐ سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا: اوس کے دونوں وصیوں نے کوئی چیز میرے اور میری بیٹیوں کے لئے نہیں چھوڑی ہے۔ رسول خداؐ نے فرمایا: اپنے گھر واپس جاؤ میں دیکھتا ہوں کہ خدا کی طرف سے کوئی حکم نازل ہوتا ہے۔ اس کے بعد مذکورہ آیت نازل ہوئی جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مرد اور عورت مرنے والے کی میراث کے حقدار ہیں۔

اسلام نے اس زمانہ میں میراث میں عورت کا حق قرار دے کر اسے شخصیت عطا کی اور اس کو مردوں کے برابر قرار دے دیا، البتہ اسلامی احکام میں عورت کی میراث، مرد کے میراث کی آدھی ہے۔

خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

''اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا۔ اب لڑکیاں دو سے زیادہ ہیں تو انہیں تمام ترکہ کا دو تہائی حصہ ملے گا اور اگر ایک ہی ہے تو اسے آدھا اور مرنے والے کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے

لئے چھٹا حصہ ہے، اگر اولاد بھی ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ کے لئے ایک تہائی ہے اور اگر بھائی بھی ہوں تو ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ ان وصیتوں کے بعد جو اس کے ذمہ ہیں۔ یہ تمہارے ہی ماں باپ اور اولاد ہیں مگر تمھیں نہیں معلوم کہ تمھارے حق میں زیادہ منفعت رساں کون ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے فریضہ ہے اور اللہ صاحب علم اور صاحب حکمت بھی ہے۔"(۱)

اسلام کی نظر میں بیٹا، بیٹی سے اور شوہر، بیوی سے دوگنا میراث پاتا ہے مگر مرنے والے کے ماں باپ کے بارے میں جب کہ وہ بیٹے کی موت کے وقت زندہ ہوں تو ان میں سے ہر ایک مرنے والے کے کل ترکہ کا چھٹا حصہ لینے کے حقدار ہیں۔

سوال:

میراث کے قانون کے بارے میں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ عورت کے بارے میں پارٹی بازی سے کیوں کام لیا گیا ہے اور اس کا حصہ مرد کے آدھے حصہ کے برابر قرار دیا گیا ہے؟ کیا یہ ظلم اور جانب داری نہیں ہے؟

جواب: اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ مرد اور عورت کی میراث کے فرق کو ان قوانین اور احکام سے الگ کر کے نہیں دیکھنا چاہئے جو اس سے مربوط ہیں اور فقط و فقط

(۱) نساء (۴) آیت ۱۱: يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلاَدِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لاتَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةً مِنَ اللهِ إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيماً

میراث کو دیکھ کر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔ یہ بات صحیح ہے کہ اسلام نے میراث کے حصوں میں مرد اور عورت کے درمیان فرق قرار دیا ہے لیکن یہ فرق اس حقیقت کو دیکھتے ہوئے رکھا گیا ہے کہ مرد اور عورت کی مالی ذمہ داریاں صرف مرد کے ذمہ رکھی گئی ہیں۔ قانون اسلام کے مطابق مرد کے لئے ضروری ہے کہ کوئی چیز مہر کے عنوان سے اپنی زوجہ کو دے۔ نیز بیوی اور بچوں کے تمام اخراجات مرد کے ذمہ ہیں۔ اس وجہ سے مرد مجبور ہے کہ محنت اور لگن سے کام کرے اور تمام مخارجِ زندگی کو پورا کرے لیکن عورت کے لئے کام کرنا اور گھر کے اخراجات کو ادا کرنا ضروری نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر اس کے پاس کوئی مال ہو تب بھی وہ اسے گھر میں خرچ کرنے پر مجبور نہیں ہے بلکہ وہ اسے اپنے لئے جمع کر سکتی ہے اور اسے جو مال بھی کام کرنے، مہر، ہبہ یا میراث کے ذریعہ یا کسی دوسرے شرعی وسیلہ سے ملے، وہ اس سے متعلق ہوگا اور وہ اپنا پورا مال جمع کر سکتی ہے۔ جبکہ مرد شرعی اور قانونی اعتبار سے مجبور ہے کہ وہ اپنی بیوی کو مہر دینے کے علاوہ اس کے اور گھر کے تمام لوگوں کے اخراجات کو بھی پورا کرے۔

اسی بنا پر عورت اپنے شوہر کے تمام اموال میں اور اسی طرح اس میراث میں بالواسطہ شریک ہے جو اسے ملا ہے یا اس کے پاس رہتا ہے جبکہ عین ممکن ہے کہ عورت کو جو میراث ملے وہ کسی کمی کے بغیر اس کے لئے باقی رہے۔ اسی صورت حال کے پیش نظر اسلام نے قانون میراث کو شرعی حیثیت دے کر اس کے ذریعہ مرد کی مدد کی ہے۔

ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ عورت کے بارے میں پارٹی بازی سے کام لیا گیا ہے؟

اگر آپ انصاف سے دیکھیں تو اس بات کی تصدیق کریں گے کہ نہ صرف یہ کہ اس سے عورت کی حق تلفی نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کے ساتھ جانب داری سے کام لیا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیثوں میں بھی اس وجہ کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

امام رضاؑ نے فرمایا:

عورت کی میراث مرد کی میراث سے آدھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت شادی کرنے کے بعد مرد سے اپنا خرچ لیتی ہے۔لیکن مرد کا فریضہ اسے نفقہ دینا ہے۔اسی وجہ سے میراث میں اس کا حصہ زیادہ ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ عورت مرد کی گھر والی اور اس سے نفقہ لینے والی ہے لیکن عورت پر واجب نہیں ہے کہ مرد کے اخراجات کو پورا کرے اور محتاجی کے عالم میں اس کی مدد کرے اسی وجہ سے میراث میں مرد کا حصہ زیادہ ہے۔

خداوند عالم اس کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:"الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض وبما انفقوا من اموالهم"(۱)

ہشام بن سالم نے بیان کیا ہے کہ ابن ابی العوجاء نے احول سے کہا: کیوں بیچاری عورت کو میراث میں ایک حصہ ملے،لیکن پیسہ والا مرد دوگنا حصہ پائے؟ میں نے یہی سوال امام جعفر صادقؑ سے کیا تو آپؑ نے فرمایا:عورت پر دیہ عاقلہ،نفقہ دینا اور جہاد اور دوسری چیزیں واجب نہیں ہیں لیکن اس طرح کے اخراجات مرد کے اوپر واجب ہیں اسی وجہ سے مرد کو میراث میں دوگنا حصہ ملتا ہے اور عورت اکہرا حصہ پاتی ہے۔(۲)

(۱) بحارالانوار؛ ج۱۰۴،ص۳۲۶:عن الرضاؑ قال علة اعطاالنساء نصف ما یعطی الرجال من المیراث لان المرأة اذا تزوجت اخذت والرجل یعطی فللذالک وفر علی الرجال وعلة اخری فی اعطاء الذکر مثلی ما تعطی الانثی فی عیال الذکر ان احتاجت وعلیه ان یعولها وعلیه نفقها ولیس علی المرأةان تعول الرجل ولا توخذ بنفقته ان احتاج فوفر علی الرجل لذالک وذالک قول الله(الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض وبما انفقوا من اموالهم"

(۲) گذشتہ حوالہ ص۳۲۷:هشام بن سالم قال:ان ابی العوجاء قال للاحول ما بال المرأةالضعیفه لها سهم واحد وللرجل القوی الوسر سهمان؟قال فذکرت ذالک لابی عبداللهؑ،فقال ان المرأةلیس علیها عاقله،ولانفقه،ولا جهاد.وعدد اشیاء غیر هذا.وهذا علی الرجال فللذالک جعل له سهمان ولها سهم.

اسلام میں چند بیویوں کی اجازت

اسلام نے چند بیویوں کے بارے میں یہ حکم بیان کیا ہے اور مرد کو یہ اجازت دی ہے کہ خاص شرائط میں ایک دائمی بیوی سے زیادہ چار بیویوں کو ایک وقت میں اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے۔ اسلام سے پہلے بھی چند بیویوں کو ایک ساتھ رکھنے کا رواج تھا اور اسلام نے اس قانون کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کی اصلاح کی ہے اور اس کے لئے کچھ شرائط رکھ دئے ہیں اور زیادہ سے زیادہ چار بیویوں تک محدود کر دیا ہے۔ لیکن چند بیویاں رکھنے کی مذمت نہیں کی ہے۔

اس حکم کو شرعی حیثیت دینے سے اسلام کا مقصد مرد کی طرفداری کرنا نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے حرم سرا بنائے، نہ ہی اسے شہوت پرستی اور عیاشی کی طرف دعوت دینا تھا اور نہ ہی عورت کے حقوق کو نظر انداز کر کے اس کے حق میں ظلم کرنا تھا۔ بلکہ اس کے برخلاف اس سے اسلام کا مقصد عورت کے ایک فطری حق کا دفاع کرنا تھا یعنی اس کے شادی کرنے کے حق نیز گھریلو زندگی کو شروع کرنا، جائز بچے پیدا کرنا اور ان کی تربیت کرنا تھا۔

البتہ ایک اعتبار سے اس کا مقصد مردوں کے حقوق کا دفاع بھی ہے۔ اسی بنا پر چند شرائط کے ساتھ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا درحقیقت ہر سماج کی ضرورت اور مرد اور عورت دونوں کی بھلائی کے لئے ہے۔ اس بات کی وضاحت میں ہم دو تمہیدوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

پہلا مقدمہ: اگر چہ دنیا میں لڑکیوں کی پیدائش اور تعداد لڑکوں سے زیادہ نہیں ہے

لیکن اگر ہم غور کریں تو ہمیں یہ بات نظر آئے گی کہ عمر کے اعتبار سے بالغ اور شادی کی ضرورت مند لڑکیوں اور عورتوں کی تعداد لڑکوں سے زیادہ ہے جس کے دو اسباب ہیں۔

پہلے یہ کہ مردوں کی موت کا اوسط خاص طور سے جوان لڑکوں کی موت کا اوسط عورتوں اور لڑکیوں کی شرح اموات سے زیادہ ہے۔ اگر ہم ان اموات کی طرف توجہ کریں جو حادثہ کی وجہ سے مثلاً جنگ، فسادات، غرق ہونے، یا کانوں میں اور کارخانوں میں مزدوروں کی موت یا اکسیڈنٹ کی وجہ سے مردوں کی اموات کو دیکھیں تو ہمارے لئے یہ مطلب واضح ہو جائے گا کہ اس طرح کے حوادث کی وجہ سے جن میں جانی نقصان زیادہ ہوتا ہے مردوں اور عورتوں کی تعداد کا تعادل بگڑ جاتا ہے اور عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو جاتی ہے۔ جس کی تصدیق کے لئے مردوں کے انہیں جانی نقصانات کو دیکھنا ہی کافی ہے جو آخری جنگوں میں ہوئے ہیں۔ جیسے: عراق اور ایران کی جنگ، امریکا اور عراق، افغانستان، خانہ جنگی، صربستان اور بوسنیا کی جنگ یا دوسری جنگیں اور لڑائیاں جو دنیا کے مختلف حصوں میں ہوتی رہتی ہیں۔ ان جنگوں میں انسانی جانوں کا ضائع ہونا بہت زیادہ اور وحشت ناک حد تک ہے اور ان میں اکثر مرنے والے بھی مرد اور ان میں بھی ایسے جوان ہوتے ہیں جو یا تو شادی شدہ نہیں ہیں یا ان کی شادی کو ابھی زیادہ مدت نہیں گذری۔ اب خود حساب لگائیں کہ ان جنگوں کی بنا پر عورتوں کی تعداد میں کتنا اضافہ ہوتا ہے اور مردوں کی تعداد کتنی کم ہو جاتی ہے۔

دوسرے یہ کہ بعض دانشمندوں کا کہنا ہے کہ بیماروں کے جراثیم سے لڑنے کی طاقت عورتوں میں مردوں سے زیادہ ہوتی ہے اور نوجوان اور جوان لڑکوں کا مرنا اسی بات کی تائید کرتا ہے کہ عورت کی متوسط عمر مرد سے زیادہ ہے۔ اور مختلف تحقیقات سے یہ بات سامنے آتی

ہے کہ بیوہ عورتوں کی تعداد ان مردوں سے زیادہ ہے جن کی بیویاں دنیا سے گذر گئی ہیں۔

اسی بنا پر ایسی بیوہ عورتوں کی تعداد کہ جنہیں شادی کی ضرورت ہے، ان مردوں سے زیادہ ہے جو غیر شادی شدہ ہیں اور شادی کرنے کی ضرورت رکھتے ہیں۔ ہم سب لوگ اس بات کے شاہد ہیں کہ بہت سی بیوہ عورتیں ایسی ہیں جو اپنے پسندیدہ مرد سے شادی کرنا چاہتی ہیں مگر ان کے لئے اس کے اسباب فراہم نہیں ہیں۔ لیکن ہمیں ایسے غیر شادی شدہ مرد بہت کم ملتے ہیں جو شادی کرنا چاہیں اور کوئی ایک عورت بھی ان سے شادی کرنے پر راضی نہ ہو۔

دوسرا مقدمہ: انسان کا ایک فطری حق شادی کر کے گھریلو زندگی کو شروع کرنا ہے۔ جس طرح کام کرنا، گھر، علاج، کھانا اور کپڑا فراہم ہونا انسان کا حق ہے اسی طرح اس کا ایک حق شادی شدہ ہونا بھی ہے۔ ہر انسان چاہے وہ مرد ہو یا عورت اسے شادی کرنے کا حق ہے اور گھریلو چین، سکون اور جائز وقانونی بچوں کی پیدائش اور ان کی پرورش کر کے فائدہ حاصل کرنا بھی ان دونوں کا حق ہے۔ عورت بھی کیونکہ ایک انسان ہے لہٰذا وہ بھی ان چیزوں کا حق رکھتی ہے۔ اس لئے شریعت کے سماجی قانون کو اس طرح منظّم ہونا چاہئے کہ ہر انسان اپنے فطری حق سے فائدہ اٹھا سکے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہر سماج میں ایک طرف ایسی بیوہ عورتوں کی تعداد زیادہ ہے جنہیں دوبارہ شادی کرنے کی ضرورت ہے اور وہ شادی کرنا بھی چاہتی ہیں۔ اگر وہ شادی نہ کریں تو عین ممکن ہے کہ گمراہی اور اخلاقی برائیوں کی طرف چلی جائیں۔ دوسری طرف غیر شادی شدہ لڑکے اتنے زیادہ نہیں ہیں کہ جو اس بات سے راضی ہوں کہ وہ کسی بیوہ عورت سے شادی کرنے کو ترجیح دیتے ہوں۔ یا ان کی تعداد کافی نہیں ہے۔ تو پھر وہ بیوہ

عورتیں جن کو شادی کی ضرورت ہے ان کی پریشانیوں کا راہ حل کیا ہے؟ یا یہ کہ جنسی برائیوں اور آزادی کو ان کے لئے جائز قرار دے دیا جائے، جیسا کہ مغربی ممالک اسی پر عمل پیرا ہیں۔ یا یہ کہ چند شادیاں کرنے کو قبول کریں کہ جس کو اسلام نے قبول کیا ہے۔

درحقیقت اسلام نے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے اور ایسی بیوہ عورتوں کی حمایت کے لئے اسے جائز کیا ہے جو شادی کر کے گھریلو زندگی گذارنے کی محتاج ہیں اور اسی سے سماج کو فساد اور جنسی انحرافات سے بچانے کے لئے چند بیویوں کو ایک ساتھ رکھنے کو جائز قرار دیا ہے۔

دوسری صورت جہاں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا صحیح قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورت بانجھ یا بیمار ہو یا بالکل بانجھ ہو یا کسی علاج کی بنا پر اس کے یہاں بچہ کی پیدائش یا اس کے لئے صاحب اولاد ہونا نقصان دہ ہو اور مرد کو اولاد کی ضرورت ہو تو عقل اور ضمیر، مرد کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ دوسری شادی کر لے۔

اسی طرح جب عورت بیمار ہو اور مرد کی جنسی خواہش کو پورا نہ کر سکے تو اس صورت میں دوسری شادی درحقیقت مرد کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ یا تو اس مشکل کو حل کرنے کے لئے وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے یا یہکہ پہلی بیوی کے ساتھ کسی دوسری عورت سے بھی شادی کر لے، یہ دوسری صورت عورتوں کے لئے فائدہ مند ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ شادی کا اہم ترین فائدہ گھر کے اندر آرام وسکون کی زندگی بسر کرنا ہے۔ لہٰذا ایک شادی متعدد بیویوں پر ترجیح رکھتی ہے اسی لئے اسلام بھی اس بات کے لئے مردوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا کہ وہ فقط شہوت پرستی کے لئے دوسری شادی کریں اور چند لمحوں کی لذت کے لئے گھر کے چین اور سکون کو قربان کر دیں۔ اسلام نے

دوسری شادی کواس لئے جائز قرار دیا ہے کہ یہ ہر سماج کی ایک ضرورت ہے اوراس سے ان بیوہ عورتوں کے حقوق کا دفاع ہوسکتا ہے جنہیں شادی کرنے کی ضرورت ہے۔

ہر جگہ ماحول، حالات، اور مختلف اوقات یا معاشروں اور انسانوں کی حیثیت اوران کے وسائل کے درمیان اس لحاظ سے فرق پایا جاتا ہے۔ لہٰذا اگر انفرادی اور سماجی اعتبار سے کوئی اہم ضرورت نہ ہوتو ایک مرد کے لئے ایک شادی ہی متعدد شادیوں پر ترجیح رکھتی ہے لیکن اگر دوسری شادی سماج میں ضروری ہو یا کسی خاص شخص کے لئے ضروری ہوتو عورتوں اور مردوں کے لئے ضروری ہے کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک دوسرے کی مدد کریں اور جو شخص اس مقصد کے تحت دوسری شادی کرنا چاہے اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ اپنی مالی اور جسمانی حالت کو مدنظر رکھے اوراگر دو گھروں کو چلانے کی طاقت نہ رکھتا ہوتو اس سے پرہیز کرے۔ اس کے بعد اس مسئلہ کو اپنی بیوی کے سامنے رکھے اور دوسری شادی کرنے کی ضرورت کو اس کے سامنے ثابت کرے اوراس کو اس بات سے مطمئن کردے کہ وہ دونوں کے درمیان عدل وانصاف اور برابری سے کام لے گا۔ مختصر یہ کہ ہر ممکن طریقہ سے اس کو راضی کرے۔

ایسے شخص کی بیوی کا بھی یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی انفرادی اور سماجی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایثار وقربانی سے کام لے۔ بلاوجہ ہٹ دھرمی اور جذباتی ہونے سے پرہیز کرے۔ شوہر کی مشکل اور ضرورت یا اس بیوہ عورت کی مشکلات کو مدنظر رکھے اوراس سے بڑھ کر رضائے خدا کو پیش نظر رکھے اور شوہر کی جائز خواہش پر راضی ہوجائے۔

اگر دوسری شادی شوہر اور زوجہ کی مرضی سے انجام پائے تو اس سے عام طور پر مشکل پیدا نہیں ہوتی ہے۔

دوسری شادی کے شرائط

اگر چہ اسلام نے دوسری شادی کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس کے لئے کچھ شرائط بھی رکھے ہیں کہ جن کی پابندی کرنا بہت مشکل ہے:

۱: اتنی مالی حیثیت ہو کہ دو گھروں کے تمام اخراجات کو پورا کر سکے۔

۲: جسمانی طاقت: دونوں بیویوں کی جنسی خواہش کو پورا کر سکے۔

۳: اس بات کا اطمینان ہو کہ دونوں گھروں کے درمیان ہر اعتبار سے عدل وانصاف کا خیال رکھے گا اور کسی بھی طرح کی جانب داری سے کام نہ لے گا۔

خداوند عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے:

تو جو عورتیں تمھیں پسند ہیں دو، تین، چار اُن سے نکاح کرلو اگر ان میں بھی انصاف نہ کر سکنے کا خطرہ ہے تو صرف ایک۔(۱)

جو شخص ایک سے زیادہ بیویاں رکھتا ہے اس کا فریضہ یہ ہے کہ نفقہ کی مقدار، اس کی نوعیت وکیفیت، جنسی تعلقات حتی اخلاقی باتوں میں بھی ان کے درمیان عدل وانصاف سے کام لے۔ اگر چہ ان کے درمیان سن یا خوبصورتی اور اخلاقی یا سماجی حیثیت جیسے دوسرے اوصاف وکمالات کے اعتبار سے فرق ہی کیوں نہ ہو، لیکن مرد کا یہ فریضہ ہے کہ ہر چیز میں ایک طرح کی رفتار وکردار سے کام لے۔

یہ واضح ہے کہ ہر لحاظ سے عدل وانصاف کرنا بہت مشکل کام ہے اور بہت ہی کم مرد

---

(۱) نساء(۴) آیت۳: وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَى فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَة

ایسے ہوتے ہیں جو اس بات سے مطمئن ہوں کہ وہ اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ خود قرآن نے صراحت کے ساتھ یہ بیان کر دیا ہے ''اگر اس بات سے ڈرتے ہو کہ ان کے درمیان عدل وانصاف سے کام نہیں لے پاؤ گے تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو'' اسی بنا پر دوسری شادی بیحد ذمہ داری والا کام ہے کہ ہر شخص کے اندر اس کی صلاحیت موجود نہیں ہے۔

اسلام میں طلاق کے احکام

اسلام نے طلاق یعنی شوہر اور بیوی کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بارے میں کچھ خاص شرائط رکھے ہیں اور اس کے باوجود بھی اس کو ایک قابل نفرت اور لائق مذمت چیز قرار دیا ہے۔

امام صادقؑ نے فرمایا:

خداوند عالم اس گھر کو پسند کرتا ہے جس میں شادی کی تقریب منعقد ہو اور اس گھر کو ناپسند کرتا ہے جس میں طلاق دی گئی ہو۔ خداوند عالم کے نزدیک کوئی بھی چیز طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں ہے۔(۱)

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

حلال کاموں میں طلاق سے بدتر کوئی چیز نہیں ہے اور جو شخص زیادہ طلاق دے اور زیادہ شادی کرے اسے خداوند عالم دشمن رکھتا ہے۔(۲)

---

(۱) وسائل الشیعہ: ج۲۲، ص۷: عن ابی عبد اللہؑ قال "ان اللہ یحب البیت الذی فیہ العرس ویبغض البیت الذی فیہ الطلاق وما من شیء ابغض من الطلاق"

(۲) گذشتہ حوالہ: ص۸ "عن ابی عبداللہؑ قال ما من شیء احلہ اللہ ابغض الیہ من الطلاق وان اللہ یبغض المطلاق الذواق"

اسی طرح آپؑ نے یہ بھی فرمایا:

جب پیغمبرؐ کو خبر ملی کہ ابو ایوب اپنی زوجہ کو طلاق دینا چاہتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا: ام ایوب کو طلاق دینا گناہ ہے۔(۱)

امام محمد باقرؑ نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

جبرئیل نے اس قدر عورتوں کے بارے میں مجھ سے تاکید کی کہ مجھے گمان ہو۔ نے لگا کہ جب تک وہ کھلے عام بدکاری کی مرتکب نہ ہوئی ہوں انہیں طلاق دینا جائز نہیں ہے۔(۲)

حضرت امام صادقؑ نے فرمایا:

شادی کرو، مگر طلاق نہ دو کہ طلاق سے عرش الٰہی لرزتا ہے۔(۳)

رسول خداؐ نے فرمایا ہے:

خدا مباح چیزوں میں سب سے زیادہ نکاح کو پسند کرتا ہے اور طلاق سے زیادہ کسی بھی مباح کو ناپسند نہیں جانتا ہے۔(۴)

---

(۱) گذشتہ حوالہ: ص۸ عن ابی عبداللہؑ قال "ان ابا ایوب یرید ان یطلق امراته فقال رسول الله ان طلاق ام ایوب لحوب ای اثم"

(۲) مکارم الاخلاق: ج۱، ص۲۴۸: عن ابی جعفرؑ قال "قال رسول اللہؐ: اوصانی جبرئیل علیه السلام بالمرأة حتی ظننت انه لا ینبغی طلاقها الا من فاحشة مبیّنة"

(۳) گذشتہ حوالہ: ص۲۲۵ "عن الصادقؑ قال تزوجوا ولا تطلقو فان الطلاق یهتز منه العرش"

(۴) مستدرک الوسائل: ج۱۵، ص۲۸۰: قال رسول اللہؐ "ما احب الله مباحاً کالنکاح وما ابغض الله مباحاً کالطلاق"

طلاق اسلام کی نظر میں ایک برا اور ناپسندیدہ کام ہے کہ جس سے حتی الامکان دوری کرنا چاہئے کیونکہ اس سے عرش خدا لرز جاتا ہے۔ اگرچہ یہ عمل حرام نہیں قرار دیا گیا ہے لیکن اس سے بہت سختی سے منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا طلاق کی روک تھام کے لئے ان چیزوں سے مقابلہ کرنا ضروری ہے کہ جن کی وجہ سے طلاق کی نوبت آتی ہے جن میں سے بعض کی طرف ہم اشارہ کررہے ہیں۔

۱۔ طلاق کی ایک وجہ مرد کا اپنی بیوی سے دل برداشتہ ہوجانا اور کسی دوسری عورت کو پسند کرنا ہے۔ جس کی اہم وجہ عورتوں کی بے پردگی یا صحیح طریقہ سے پردہ نہ کرنا ہے۔ کیونکہ جب مرد گلیوں اور سڑکوں پر ایسی عورتوں کو دیکھتا ہے جو اس کی بیوی سے زیادہ خوبصورت اور جاذب نظر ہوں تو اس بات کا امکان ہے کہ وہ اس کا عاشق ہوجائے اور اپنی بیوی سے دل برداشتہ ہوجائے۔ چنانچہ جب وہ گھر واپس پلٹتا ہے تو اپنی بیوی میں بلاوجہ عیب نکال کر اور فضول بہانے بنا کر خود ہی اپنی زندگی کو تلخ بنا دیتا ہے اور بسا اوقات اس کا خاتمہ طلاق پر ہوتا ہے۔

اسلام نے اس چیز کی روک تھام کے لئے ایک طرف تو عورتوں کو یہ حکم دیا ہے کہ پردہ کریں اور اپنی زینت کو دوسرے مردوں کے سامنے نہ لائیں اور اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے بناؤ سنگار نہ کریں اور نہ ہی دلربائی کریں اور دوسری طرف مردوں کو یہ تاکید کی ہے کہ نامحرم عورتوں کو نہ دیکھیں اور ان سے ہنسی مذاق اور دل لگی کی باتیں نہ کریں اور اگر اتفاقاً کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو اسے بار بار نہ دیکھیں، بلکہ فوراً اپنی آنکھوں کو بند کرلیں یا کسی دوسری طرف دیکھنے لگیں۔

۲۔ طلاق کی دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات عورت اور مرد ایک دوسرے سے

دلبرداشتہ ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کے جنسی جذبہ کی تسکین اچھی طرح نہیں ہو پاتی ہے۔ چنانچہ بہت سی طلاقیں اور بے راہ رویاں اسی وجہ سے وجود میں آتی ہیں کہ زوجہ اور شوہر ایک دوسرے کی جنسی خواہش کو پورا نہیں کر پاتے۔ اسلام نے اس کی روک تھام کے لئے عورتوں کو یہ تاکید کی ہے کہ اپنے اچھے کپڑے گھر کے اندر پہنیں اور جس طرح ان کا شوہر چاہتا ہے اپنے لئے ویسے ہی بناؤ سنگار کا انتخاب کریں اور اسے اپنے شوہر کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع دیں اسی طرح مردوں کو بھی یہ تاکید کی گئی ہے کہ صفائی ستھرائی کا خیال رکھیں اور اپنی شکل صورت کا خیال رکھیں اور گھر میں بھی اچھی زندگی گذاریں۔

نیز یہ کہ دوسری طرف زوجہ اور شوہر کو یاد دہانی کی گئی ہے کہ ہمبستری کے وقت فقط اپنی جنسی خواہش کی تسکین اور اپنے جذبات کو پورا کرنے کی فکر میں نہ رہیں بلکہ ایک دوسرے کی جنسی خواہش کو پورا کرنے کی بھی کوشش کریں۔

۳۔ طلاق کی تیسری وجہ ایک دوسرے سے زوجہ اور شوہر کی بدسلوکی، بداخلاقی، ایک دوسرے میں عیب نکالنا، بلاوجہ بہانہ بنا کر بحث یا ضد کرنا بھی ہے جیسا کہ تحقیقی رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ طلاق کی ایک اہم ترین وجہ زوجہ اور شوہر کے اخلاق میں تال میل نہ ہونا بھی ہے۔

اسلام نے اس کی روک تھام اور گھریلو بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لئے شوہر اور بیوی دونوں کے لئے الگ الگ فرائض رکھے ہیں اور ان سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ ان کو پورا کریں۔ اس کے علاوہ ان کو یہ تاکید بھی کی ہے کہ انانیت، ہٹ دھرمی اور ضد بازی سے پرہیز کریں نیز بلند ہمتی اور چشم پوشی کا جذبہ رکھیں اور ایک دوسرے کے ذوق اور سلیقہ کے اختلاف کو عقل اور انصاف کے ذریعہ حل کریں، شوہر اور بیوی کے اخلاقی فرائض اخلاقی کتب میں بیان

ہوئے ہیں جن میں ہم بعض کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔

۴۔اسلام نے شوہر اور بیوی کے اختلاف کو حل کرنے اور طلاق کو روکنے کا دوسرا راستہ یہ نکالا ہے کہ ان کے فیصلہ کے لئے کچھ لوگوں کو جمع کیا جائے جس میں کم سے کم دو اشخاص ہوں ایک شخص عورت کے خاندان سے اور دوسرا مرد کے خاندان سے ہو اور یہ دونوں افراد شوہر اور بیوی کے رشتہ دار بھی ہو سکتے ہیں یا ان کی جان پہچان والے بھی ہو سکتے ہیں۔

جیسا کہ خداوند قرآن مجید فرماتا ہے:

اور اگر دونوں کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہے تو ایک حَکَم مرد کی طرف سے اور ایک عورت والوں میں سے بھیجو پھر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے تو خدا ان کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر دے گا۔ بیشک اللہ علیم بھی ہے اور خبیر بھی۔(۱)

فیصلہ کرنے والے کیونکہ ان کی بھلائی کے لئے جمع ہوتے ہیں، لہٰذا وہ ایک جگہ جمع ہو کر وہاں شوہر اور بیوی کو بلاتے ہیں اور ان سے ان کے درمیان اختلاف کی وجہ پوچھتے ہیں اور پھر دقت کے ساتھ ان کی باتوں کو سنتے ہیں اور جسے بھی ناحق پاتے ہیں اسے شفقت اور مہربانی کے ساتھ اس کی غلطی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ ان میں سے ہر ایک کو اس کے فریضہ سے بخوبی آگاہ کرتے ہیں اور اس وقت انہیں ایک دوسرے کی غلطیوں سے چشم پوشی کرنے اور اپنے فرائض پر عمل کرنے کے علاوہ شادی کی مقدس بنیادوں کو مضبوط بنانے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں اس اختلاف اور جدائی کے برے نتیجوں سے آگاہ بھی کرتے ہیں اور اس طرح ان کے درمیان صلح کر دیتے ہیں۔

---

(۱) نساء آیت ۳۵: وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا .

یہ بات نا گفتہ نہ رہ جائے کہ اسلامی حکم کے مطابق فیصلہ کرنا اور صلح کرانا ان تعلقات سے بہت الگ ہے جسے قانون مجبوری کی بنا پر قبول کرنا پڑے۔ کیونکہ قانونی مصالحت دو شریکوں، دو پڑوسیوں یا دو لڑائی کرنے والوں کے درمیان ہوتی ہے جس میں وہ اس بات کا عہد کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کے حقوق کو پامال نہیں کریں گے۔ لیکن وہ صلح جو اسلام نے فیصلہ کرانے والے خاندانی بزرگوں کے ذریعہ بیان کی ہے وہ قانون کے لازمی ہونے کے معنی میں نہیں ہے، بلکہ اس کے ذریعہ قلبی رنجشوں کو دور کیا جاتا ہے اور اس چیز کو ختم کیا جاتا ہے جس سے اختلاف پیدا ہوتے ہیں اور ان کے درمیان صلح و مصالحت پیدا کرانے کے بعد ان کے دلوں میں مشترک گھریلو زندگی سے محبت کو مستحکم کرنا اور زندگی سے متعلق ان کی دلچسپی اور شوہر و بیوی کے آپسی تعلقات کو سدھارنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے ذریعہ قائم ہونے والے تعلقات کا پہلی قسم کی صلح سے ممتاز ہونا کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ لیکن اگر فیصلہ کرانے والے تحقیق اور غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچیں کہ شوہر اور بیوی کے اختلاف بہت گہرے ہو چکے ہیں اور انس و محبت کی حرارت سرد ہو چکی ہے اور ان کی اصلاح کی کوئی امید نہیں ہے، یہاں تک کہ ایک دوسرے کو معاف کرنے اور غلطیوں سے چشم پوشی کی طرف دعوت دینے کے بعد بھی ممکن نہ ہو تو شوہر اور بیوی کو ان کے حال پر چھوڑ دیں تا کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اور ان کے درمیان طلاق پڑھ دی جائے۔

۵۔ پانچویں چیز جو طلاق کو روک سکتی ہے یا اس میں تاخیر ڈال سکتی ہے وہ مہر کی ادائیگی ہے یعنی مرد نے اگر بیوی کو اس کا مہر دے دیا ہے تو وہ اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ اس سے واپس لے لے اور اگر نہیں دیا ہے تو اس کا فریضہ یہ ہے کہ طلاق دیتے وقت اسے پورا مہر ادا کرے۔

جیسا کہ قرآن مجید فرماتا ہے:

اور اگر تم ایک زوجہ کی جگہ پر دوسری زوجہ لانا چاہو اور ایک کو مال کثیر بھی دے چکے ہو تو خبردار اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔ کیا تم اس مال کو بہتان اور کھلے گناہ کے طور پر لینا چاہتے ہو اور آخر کس طرح تم مال کو واپس لو گے جب کہ ایک دوسرے سے متصل ہو چکا ہے اور ان عورتوں نے تم سے بہت سخت قسم کا عہد لیا ہے۔(۱)

مہر، عورت کا شرعی اور قانونی حق ہے اور وہ ہر ممکن طریقہ سے اسے وصول کر سکتی ہے اور اگر مرد نے نقد مہر نہ دیا ہو تو اسے طلاق کے وقت ادا کرے اگر مہر کوئی جائداد یا بہت زیادہ پیسہ ہو تو پھر طلاق نہ دے خاص طور سے فقیر یا کم سرمایہ والے حضرات۔

۶۔ طلاق کو روکنے کا ایک اور ذریعہ بچوں کی سرپرستی اور ان کی دیکھ بھال نیز ان کے اخراجات کو پورا کرنا بھی ہے جو مرد کے ذمہ ہے اگر گھر کی حالت معمول کے مطابق ہو تو شوہر اور بیوی ایک ساتھ زندگی گذارتے ہیں اور اس دوران عورتیں بچوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لے لیتی ہیں جس کے نتیجہ میں مردوں کو فرصت مل جاتی ہے کہ وہ کام کاج کر کے اپنے گھر کے اخراجات کو پورا کر سکیں۔

لیکن اگر طلاق کے ذریعہ وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو بچوں کی دیکھ بھال بھی مرد کے کاندھوں پر آئے گی اور ان دو ذمہ داریوں کو ایک ساتھ پورا کرنا اس کے لئے بہت سخت ہے۔ اس کے علاوہ بچوں کو ماں کی مامتا کی ضرورت ہوتی ہے جسے باپ

---

(۱) گذشتہ حوالہ آیت ۲۰۔۲۱: وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا .

ہرگز پورا نہیں کرسکتا۔ اسی لئے اگر ایک اچھا باپ طلاق کے برے نتیجوں اور مشکلات پر نظر رکھے تو حتماً اس سے پرہیز کرے گا۔

اسی بنا پر بچوں کی موجودگی اور ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری کو شوہر اور بیوی کی مشترکہ زندگی کے استحکام کا ایک بہترین ذریعہ اور طلاق کو روکنے کا اہم سبب قرار دیا جاسکتا ہے۔

۷۔ دوسری وجہ دو عادل گواہوں کا موجود ہونا: اسلام کی نگاہ میں طلاق کا صیغہ پڑھتے وقت وہاں دو عادل گواہوں کا حاضر ہونا بھی طلاق کے صحیح ہونے کی شرط ہے۔ نیز طلاق کے صحیح ہونے کے لئے صیغۂ طلاق کا صحیح پڑھنا ضروری ہے جو عام طور سے ہر ایک کے لئے ممکن نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ صیغۂ طلاق کے جاری ہوتے وقت دو عادل گواہوں کا حاضر ہونا ضروری ہے تا کہ وہ صیغۂ طلاق کو سنیں اور ضرورت کے وقت گواہی دے سکیں۔ کیونکہ صیغۂ طلاق کو صحیح طریقہ سے پڑھنا اور اس وقت دو عادل گواہوں کا حاضر ہونا بالکل آسان نہیں ہے اور اس کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے مرد طلاق میں جلد بازی کرنے سے محفوظ رہتا ہے۔

اس مدت کے درمیان عین ممکن ہے کہ مرد اپنی عقل کا استعمال کر کے سوچے اور اس کے غصہ اور ضد میں کمی آجائے یا وہ طلاق کے برے نتیجوں اور مختلف مشکلات کے بارے میں غور و فکر کرے اور طلاق دینے کا ارادہ بدل دے اور اگر اس کے بعد بھی مصر ہو تو اس کے خیر خواہ دوست اور مشاور اس بارے میں اس کی مدد کر سکتے ہیں اور پھر بھی تمام شرائط کے فراہم ہونے کے بعد بھی صیغۂ طلاق پڑھنے والا اور دو عادل گواہ اتنی آسانی سے اسے طلاق نہیں دے دیتے بلکہ وہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کے اختلاف کو ختم کر دیں اور ان

کے درمیان صلح ہوجائے۔ نیز یہ کہ وہ ضرورت کی بنا پر طلاق میں تاخیر کرسکتے ہیں تا کہ مرد کے لئے طلاق کے برے نتائج کے بارے میں سوچنے اوراس سے پرہیز کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ فرصت موجود رہے۔ اسلام کیونکہ طلاق کا مخالف ہے لہٰذا وہ اس کی روک تھام کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔

۸۔ جب تمام شرائط کے ساتھ طلاق دے دی جائے اس کے بعد بھی اسلام اسے ان کے نکاح کا خاتمہ قرار نہیں دیتا بلکہ اس نے عدہ کے عنوان سے کچھ مدت معین کی ہے اور طلاق رجعی میں مرد کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ پہلے نکاح کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اسے مہر یا دوسرے صیغۂ نکاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔(۱)

اسلام نے شادی کی بقاء اور اس کی حفاظت کے بارے میں اس قدر توجہ دی ہے کہ طلاق ہوجانے کے بعد بھی عدہ کی مدت میں مرد کو یہ مہلت دی ہے کہ وہ خوب فکر کرے اور اسی شادی کو باقی رکھنے کی خواہش کی صورت میں پہلی بیوی کی طرف رجوع کرلے۔

طلاق کا شرعی فلسفہ

سوال: ممکن ہے کہ کوئی شخص طلاق کے شرعی ہونے کے بارے میں اعتراض کرے اور یہ کہے: اگر طلاق کا قانون بنانے والا اسے ناپسند کرتا تھا (جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے) تو اس نے اسے حرام کیوں نہیں کیا ہے۔ یعنی حلال ہونا اور ناپسند ہونا دونوں ایک ساتھ کس طرح جمع ہوسکتے ہیں؟ تو پھر اسلام نے طلاق کو کیوں جائز قرار دیا اور اس کا فلسفہ کیا ہے؟

(۱) طلاق رجعی کا عدہ: طلاق کے بعد عورت کے تین مرتبہ خون حیض دیکھنے کی مدت کو کہا جاتا ہے۔

جواب: اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے: اگر چہ طلاق ایک ناپسندیدہ کام ہے لیکن بعض مواقع پر اس کی واقعاً ضرورت پڑتی ہے اور ہم اسے روک نہیں سکتے ہیں جیسے: انسان کے اعضاء بدن کا بدن سے جدا ہونا ایک دردناک اور ناپسندیدہ کام ہے لیکن بعض صورتوں میں ان اعضاء کو کاٹنا بھی ضروری ہو جاتا ہے کیونکہ انسان کی بھلائی اسی میں ہے۔ لہٰذا اگر مشترکہ زندگی کو جاری رکھنا شوہر اور بیوی کے لئے بیحد تکلیف دہ اور دردناک یا ناقابل تحمل ہو اور طلاق کے علاوہ کوئی دوسری راہ موجود نہ ہو تو طلاق اس کا بہترین راہ حل ہے۔

مثال کے طور پر میاں بیوی کے عشق و محبت کی آگ بالکل ٹھنڈی ہو جائے، شوہر اپنی بیوی کو پسند نہ کرے اور عورت بھی اپنی جاذبیت اور کشش کو اپنے ہاتھ سے دے دے۔ ان کی مشترکہ زندگی بالکل کھوکھلی ہو چکی ہو۔ مختصر یہ کہ وہ گھر جس میں پیار و محبت نہ ہو، وہ ایک تاریک اور وحشت ناک کوٹھری ہے نہ یہ کہ شوہر اور بیوی کے آسائش اور آرام کی جگہ: در حقیقت یہ ایک قید خانہ اور بھٹی ہے جو پورے گھر کو جھلسا کر راکھ کر دے گی زوجہ اور شوہر کا رشتہ ایک فطری رشتہ ہے جو شوہر اور بیوی کے درمیان قائم ہوتا ہے اور یہ دوسرے سماجی معاہدہ مثلاً بیع، اجارہ، رہن اور صلح وغیرہ سے بالکل جدا ہے۔ کیونکہ یہ سب ایسے معاہدے ہیں جو صرف سماجی اور قانونی ہیں اور ان میں فطرت، دل اور جذبات کا کوئی دخل نہیں ہے اس کے برخلاف شادی ایک فطری رشتہ ہے اور اس کی جڑیں انسانی فطرت اور شوہر و بیوی کے قلبی جذبات اور فطری خواہشوں میں پیوست ہیں۔

شادی در حقیقت شوہر اور بیوی کے درمیان ایک طرح کی اندرونی کشش ہے جس سے وہ اتحاد کی طرف راغب ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی قربت اور ہم دلی ہی اس کا بہترین نتیجہ ہے، یہ جاذبیت اور کشش مختلف میاں بیویوں کے درمیان الگ الگ انداز

میں پائی جاتی ہے۔ مرد کی طرف سے عشق اور پسند کرنے کی صورت میں چاہنا اور عورت کو اپنے اختیار میں لینے کی خواہش کی صورت میں بیوی کو چاہنا اور عورت کی طرف سے خود کو سجانا، پر کشش ہونا، دل کو تسخیر کرنا اور مرد کے دل کو ہاتھ میں لینا ہے۔ لہٰذا مرد چاہتا ہے اپنی محبوبہ کو قبضہ میں لے لے، لیکن عورت چاہتی ہے شوہر کی محبوبہ بنی رہے اور اس کے دل کو اپنی مٹھی میں لئے رہے۔

گھر کی بنیاد ان دو ستونوں پر رکھی ہے اور اگر زوجہ اور شوہر اپنی اندرونی خواہش تک پہنچ جائیں تو گھر کا ماحول گرم، بے تکلف اور خوبصورت بن جائے گا، مرد گھر کی طرف دل گرم اور پرامید رہے گا اور ان کے آرام اور سکون کو فراہم کرنے کے لئے کوشش اور فداکاری کرے گا، عورت بھی اپنے کو کامیاب اور خوش بخت سمجھے گی اور شوہرداری، گھرداری اور بچہ داری میں اپنی کوشش بھر فداکاری کرے گی۔

لیکن اگر مرد اپنی بیوی کو پسند نہ کرے اور وہ اسے دیکھنا بھی نہ چاہے اور عورت کو بھی یہ احساس ہو کہ وہ اس کی نظروں سے گر چکی ہے اور اس کا شوہر اسے پسند نہیں کرتا ہے تو پھر گھر کے دو بنیادی ستون بالکل منہدم ہو جائیں گے جس سے پورا گھر ویران ہو سکتا ہے۔ ایسے گھروں میں زندگی، بالکل بے مزہ اور شوہر و بیوی کے لئے بہت دشوار اور دردسر بن جاتی ہے اور اسی شکل میں اسے جاری رکھنا دونوں میں سے کسی ایک کے حق میں بھی بہتر نہیں ہے، ایسی صورت میں اگر چہ اسلام طلاق کو ناپسند کرتا ہے لیکن ایسی مشکلات میں اسے بہترین راہ حل جانتا ہے اور ایسے ہی مواقع کے لئے اس نے طلاق کا قانون بنایا ہے۔

دوسرا موقع وہ ہے کہ جب شوہر اور بیوی کا اخلاق ایک جیسا نہ ہو بلکہ دونوں کے اوپر دو طرح کی فکریں مسلط ہوں جیسے: دونوں خود خواہ، کینہ پرور اور ضدی ہوں دن رات لڑائی

،جھگڑا کرتے رہتے ہوں، کسی کی نصیحت کو نہ سنتے ہوں اوراپنی اصلاح کے لئے کسی بھی طرح راضی نہ ہوتے ہوں، تو ایسے گھر میں زندگی گذارنا بہت سخت اور مشکل ہے اوران کا ایک ساتھ رہنا نہ عورت کے فائدہ میں ہے اور نہ ہی مرد کے لئے مفید ہے، ایسی صورت کا بہترین راہ حل طلاق ہے اوراسلام نے اسی راہ حل کو تجویز کیا ہے

اسی بنا پر بعض اوقات طلاق سماج کی ضرورت اوران کا بہترین راہ حل ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ اگر چہ بعض مواقع کے لئے طلاق کو تجویز کیا گیا ہے لیکن طلاق کا قانون تو عام ہے اور یہ بعض ہوسباز مردوں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے بہانے کی وجہ سے اپنی مظلوم بیوی کو طلاق دے دیں کہ جس نے اپنی جوانی، طاقت، صحت اور شادابی کو اس بے وفا مرد کے گھر میں قربان کردیا اوراس کے بعد وہ مرد اس کے مانوس گھر سے اسے جدا کردے اور کچھ دنوں بعد دوسری شادی کرلے۔ کیا ایسی طلاق کا جائز ہونا اس عورت پر ظلم نہیں ہے۔

اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے: اسلام بھی ہوس بازی اوراس طرح کی نامردوں جیسی طلاق کا مخالف ہے۔ اس نے اس کے اسباب کا بہت سختی سے مقابلہ کیا ہے۔ اسی لئے اس نے طلاق کے کچھ شرائط اور قوانین بنائے ہیں اوراسے روکنے کے لئے حتی الامکان رکاوٹیں کھڑی کی ہیں۔

لیکن اگر کسی بنا پر بھی عورت اپنی محبوبیت، جاذبیت اور پیار ومحبت کو گنوادے اور مرد کے لئے قابل نفرت بن جائے تو اس کے لئے کیا کیا جائے اوراس کا راہ حل کیا ہے؟ کیونکہ عورت یہ احساس کرتی ہے کہ وہ مرد کی من پسند بیوی اوراس کے گھر کی آئیڈیل خاتون نہیں ہے اوراس کا شوہر اس سے نفرت کرتا ہے اوراس طرح کا دردناک اختلاف عورت کی بہت

بڑی ذلت اور توہین ہے تو پھر کیا یہ مصلحت ہوسکتی ہے کہ ایسی عورت کو قانون مجبوراً گھر میں قید رکھے اور دونوں کو جدا ہونے سے منع کردے؟

یقیناً قانون کے زور پر عورت کو گھر میں رہنے اور مرد کو نفقہ دینے پر تو مجبور کیا جاسکتا ہے لیکن ان کے درمیان پیار ومحبت کا رشتہ پیدا نہیں کیا جاسکتا جو ایک گھریلو زندگی کے لئے بیحد ضروری ہے۔ اس جگہ پر بھی اسلام اگرچہ طلاق کو ناپسند کرتا ہے مگر اس نے اس کے لئے طلاق کو بہترین راہ حل قرار دیا ہے۔

ممکن ہے کوئی یہ کہے: طلاق بعض جگہوں پر ضروری اور بہترین راہ حل ہے تو اس کا حق فقط مردوں کے لئے کیوں ہے؟ کیونکہ بالکل اسی طرح کے احتمالات عورت کے لئے بھی پائے جاتے ہیں ممکن ہے کوئی عورت اپنے شوہر کو پسند نہ کرے اور اس کے ساتھ زندگی گذارنے سے بیزار ہو۔ کیا ایسے مواقع کے لئے بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر انس ومحبت نہ ہو تو مشترک گھریلو زندگی کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اس لئے عورتوں کو بھی یہ حق دینا چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کو طلاق دے دیں اور شادی کے اختتام کا اعلان کردیں۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے: عورت کی بے رغبتی کو ہم گھریلو زندگی کے خاتمہ کا سبب نہیں سمجھ سکتے بلکہ یہ مرد کی تقصیر یا ازدواجی زندگی میں بیوی کے حقوق کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ عورت کے انس ومحبت کی کنجی درحقیقت مرد کے اختیار میں ہوتی ہے اگر مرد واقعاً اپنی بیوی کو چاہے، اسے بیحد پسند کرے، اس کے حقوق کو بھی ادا کرتا رہے اور اپنے اخلاق وکردار کو سنوار لے تو بیوی بھی عام طور سے اس سے مانوس رہتی ہے اور اسے پسند کرنے لگتی ہے اور وہ بھی یہ کوشش کرتی ہے کہ مرد کے دل کو اسی طرح اپنا گرویدہ بنائے رکھے۔

مختصر یہ کہ اگر کوئی عورت اپنی مشترکہ زندگی یا اپنے شوہر کو پسند نہیں کرتی تو یہ مرد کے قصوروار ہونے کی علامت ہے۔

ایسے موقع پر طلاق کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مرد کو اس کے شرعی فرائض اور عورت سے متعلق ان حقوق سے واقف کرائیں جن کا ادا کرنا بہت ضروری ہے تا کہ وہ اپنی رفتار و گفتار اور اخلاق کے بارے میں نئے سرے سے غور و فکر کرے اور ہر ممکنہ طریقہ سے اپنی بیوی کا دل جیتنے کی کوشش کرے اور اسے نا امیدی سے نجات دلا دے۔

ممکن ہے کوئی سوال کرے: اگر مرد اپنی بیوی کو مارتا ہو، اس کا نفقہ ادا نہ کرتا ہو، اس کے ساتھ سختی سے پیش آتا ہو، اس کو اس کے حق ہم بستری سے محروم کر دے یا اس کی جنسی خواہش کو پورا نہ کرتا ہو، اسے اذیت دیتا ہو یا اسے گالیاں دیتا ہو اور پھر طلاق بھی نہ دیتا ہو تو ایسی صورت میں عورت کا کیا حق ہے؟ کیا یہ کہا جائے کہ وہ صبر کرے اور شوہر کے مظالم کی آگ میں اسی طرح جلتی رہے یہاں تک کہ اسے موت آ جائے اور ایسے مواقع پر اپنی آزادی کے لئے عورت کو طلاق کا حق کیوں نہیں دیا گیا ہے؟

اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے: اسلام کی بنیاد عدل و انصاف اور لوگوں کے حقوق کو ادا کرنے پر قائم ہے اور کبھی بھی وہ مرد کی ناشایستہ حرکتوں یا اس کے ظلم کو بیوی کے حق میں تجویز نہیں کرتا، بلکہ وہ شدت سے اس کا مخالف ہے اور عورت کے حقوق کا دفاع کرتا ہے۔

عورت ایسے مواقع پر فیصلہ کرنے والے لوگوں سے رابطہ کرے گی اور ان سے یہ تقاضہ کرے گی کہ اس کے شوہر کو نصیحت کریں اور اسے عدل و انصاف اور اپنے فریضہ پر عمل کرنے کے لئے مجبور کریں، اگر وہ اس میں کامیابی حاصل کر لے تو اپنی ازدواجی زندگی کو آگے بڑھائے گی، اور اگر وہ حق ادا کرنے سے منع کرے تو وہ اپنی شکایت کو حاکم شرع

اسلامی یا گھریلو کورٹ میں لے جائے گی، اسلامی حاکم شرع ظلم کرنے والے مرد کو بلائے گا اور اس سے کہے گا کہ ظلم وستم نہ کرے اور اپنے فریضہ پر عمل کرے۔ اگر مرد اس بات کو قبول نہ کرے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کرے گا اور منع کرنے کی صورت میں حاکم شرع خود اس عورت کو طلاق دے دے گا اور اس کے حقوق بھی مرد سے لے گا۔

دوسرا حصہ

خواتین کے فرائض وحقوق

سوالات وجوابات کے آئینہ میں

اشارہ

کیونکہ خداوند عالم کے حکم سے تمام جاندار موجودات کی نسل کا دوام ضروری ہے اور یہ مہم کام صرف نر یا مادہ میں سے کسی ایک کے ذریعہ ممکن نہ تھا بلکہ اس کے لئے ایک جوڑے کی ضرورت تھی۔ بالکل اسی طرح انسانی زندگی میں بھی ان دونوں جنسوں کی ضرورت تھی۔ یعنی اس جوڑے میں کوئی ایک مرد ہوتا اور اس کا دوسرا فرد عورت، اسی لئے عورت اور مرد کی خلقت کا مقصد بہت اعلیٰ ہے اگر چہ دونوں ایک طرح کی فطری اور انسانی صفات کے حامل ہیں لیکن پھر بھی ان کے اندر بہت سے ظاہری فرق جیسے: جسمانی یا روحانی اور کبھی کبھی نفسیاتی فرق پائے جاتے ہیں اور انہیں فرقوں کے لحاظ سے وہ دونوں الگ الگ اور معین حقوق وفرائض کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں۔

اسلام، عورت اور مرد دونوں کو ایک انسان ہونے کے زاویہ (رخ) سے دیکھتا ہے اور دونوں کو ایک شریف اور برتر مخلوق سمجھتا ہے کہ خداوند عالم نے ان کی خلقت پر فخر کیا ہے اور اسی خلقت کی اقتضاء کی بنا پر اور انسانی زندگی کو آگے بڑھانے کے لئے اس نے ان میں سے ہر ایک کے ذمہ کچھ فرائض رکھے ہیں لیکن کبھی کبھی ان مختلف فرائض اور ان کی بنا پر ہر ایک کے لئے مختلف حقوق قرار دینے سے کچھ ابہامات پیدا ہو جاتے ہیں جن کی بنا پر بعض

لوگوں نے اپنے ذہن کے مطابق کچھ قوانین کو جانبداری یا کچھ قوانین کو انسانی آزادی کے خلاف سمجھا ہے۔

پہلے حصہ میں تفصیلی گفتگو کے ضمن میں ان ابہامات کا جواب دیا جاچکا ہے اور آزادی کی مختلف شکلوں پر مثلاً: پردہ، شادی، طلاق، میراث، مہر، نفقہ اور اس جیسے موضوعات کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے لیکن اس حصہ میں ہماری گفتگو کا انداز قدرے مختلف ہے یعنی وہ مختلف سوالات جو ہمارے ہاتھوں میں پہنچے ہیں ہم نے اپنے مخاطبین سے براہ راست گفتگو کے ذریعہ ان سوالوں کے جواب دیئے ہیں۔ مثلاً عورت کا مقام ومنزلت اس کی سماجی، سیاسی اور ثقافتی کارکردگی، خانہ داری کا طریقہ وفن، آزادی، زندگی گذارنے کا سلیقہ ،فطری اور اکتسابی حقوق اور اس جیسے دوسرے موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔ امید ہے، یہ طریقہ ہمارے قارئین کے لئے فائدہ مند ثابت ہوگا۔

سوال: آپ نے اپنی تحریروں میں عورت کی شخصیت اور منزلت کو کیوں زیادہ اہمیت دی ہے؟

جواب: کسی بھی کتاب کا موضوع انتخاب کرتے وقت میرے دو انداز ہوتے ہیں ایک سماج کی ضرورت کہ جسے میں خود سماج کے حالات کا جائزہ لے کر سمجھتا تھا اور دوسرے یہ کہ اس موضوع پر پہلے سے کوئی ایسی کتاب موجود نہ ہو جو اس ضرورت کو پورا کر سکے۔ بہت کم ایسا ہوا کہ کسی موضوع پر کوئی اچھی کتاب موجود ہو اور مجھے بھی اس موضوع پر لکھنے کی خواہش ہوئی ہو۔ بلکہ میں ایسی چیزیں لکھنے کی کوشش کرتا ہوں جن کی ضرورت ہو اور کوئی کتاب بھی ان کے بارے میں موجود نہ ہو یا اگر ہو تو ناقص ہو۔ میری تمام تحریروں میں

تقریباً یہی دستور رہا ہے میں نے اپنی پہلی کتاب ''دادگستر جہان'' کے نام سے ۱۳۴۶ھ ش میں لکھی اس زمانہ میں بہائیت کا موضوع گرم تھا اوران کے خلاف تحریکوں کا زور وشور تھا۔ نیز امام زمانہ (عج) سے مربوط مسائل لوگوں کے لئے روشن نہیں تھے۔ یہ جوانوں کے لئے ایک اہم مسئلہ تھا۔ میں اس زمانہ میں اس ضرورت کی طرف متوجہ ہوا لہٰذا وہ کتابیں جو اس موضوع کے بارے میں تھیں میں نے انہیں جمع کر کے ان کا مطالعہ کیا اور دیکھا کہ اگر چہ اس موضوع کے بارے میں بہت اچھی اچھی کتابیں موجود ہیں لیکن کوئی ایسی کتاب جو ، جوانوں اور تحقیق کرنے والوں کے سوالوں کا مکمل طور پر جواب دے سکے، موجود نہیں ہے اور اسی وجہ سے مجھے یہ کتاب لکھنے کی فکر ہوئی۔

وہ کتابیں جو میں نے عورتوں کے مسائل کے بارے میں لکھی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں: آئین ہمسر داری، آئین تربیت، اسلام وتعلیم وتربیت، انتخاب ہمسر اور بانوئے نمونۂ اسلام؛ یہ کتابیں صرف اور صرف عورتوں اوران کے مسائل کے بارے میں ہیں۔

لیکن یہ کہ اس کام کو انجام دینے کے لئے میرا کیا جذبہ تھا تو ''آئین ہمسر داری'' کتاب، جسے میں نے تقریباً ۱۳۵۴ میں لکھا تھا اس کو لکھتے وقت میرے اندر یہ جذبہ تھا کہ میں ایک طالب علم کے عنوان سے لوگوں کی گھریلو زندگی سے واقف تھا اور نزدیک سے ان (اعزاء اور اقرباء) کے گھریلو مشکلات اور مسائل کو دیکھتا رہتا تھا اوران مسائل کے بارے میں مجھ سے سوالات بھی پوچھے جاتے تھے۔ لہٰذا ان تمام باتوں کی وجہ سے میں اس کتاب کو لکھنے کے لئے اوراس طرح کے مسائل اور موضوع کو بیان کرنے کے لئے مجبور ہوا۔ سب سے پہلے میں نے اس موضوع کے بارے میں موجود کتابوں کو جمع کیا (جو بہت کم تھیں) اوران کا مطالعہ کرتے وقت متوجہ ہوا کہ یہ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔ لہٰذا

میں نے سوچا ''آئین ہمسر داری'' کتاب لکھوں اس کتاب کو میں نے لکھا اوراس کے پڑھنے والے بھی پیدا ہو گئے بلکہ ان کو یہ کتاب پسند آئی اوراس کے لکھنے کے بعد اگر مجھ سے کوئی ان مسائل کا حل دریافت کرتا تھا تو نہ یہ کہ میں اس سے جان نہیں بچاتا تھا بلکہ اس کا استقبال کرتا تھا اور میں جب کسی کی کوئی گھریلو مشکل حل کر دیتا تھا تو مجھے بہت ہی زیادہ خوشی ہوتی تھی۔

تقریباً ان مسائل سے واقف ہونے کے چار، پانچ سال بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اکثر گھریلو لڑائی جھگڑے لڑکوں اور لڑکیوں کی صحیح تربیت نہ ہونے کی بنا پر ہوتے ہیں، لہٰذا میں نے سوچا کہ اولاد کی تربیت کے بارے میں ایک کتاب لکھوں۔ اس کے بارے میں بھی میں نے اسی موضوع سے متعلق کتابوں کو جمع کیا اوران کا مطالعہ کیا اوراس بات کی طرف متوجہ ہوا کہ اس موضوع کے بارے میں جیسی کتاب ہونا چاہئے ویسی نہیں ہے۔ جو کتابیں تھیں بھی تو ان میں سے بعض تو اسلامی قوانین کے مطابق نہیں تھیں اور بعض عام فہم نہیں تھیں بلکہ بہت زیادہ علمی تھیں کہ جن سے لوگوں کے مسائل حل نہیں ہو سکتے تھے اس وجہ سے اپنے تجربات کی بنا پر میں کتاب ''آئین تربیت'' لکھنے میں مشغول ہو گیا۔ اسی زمانہ میں میرا ایک دوست جو کہ تہران میں تھا اور عورتوں کی کلاسوں میں تربیتی مسائل بیان کرتا تھا میں نے اس سے کہا کہ عورتوں سے کہو کہ وہ اپنے سوالات اور مشکلات ہمیں لکھ کر بھیجیں اوراس طرح دوسو یا اس سے زیادہ خطوط ان کے مسائل کے بارے میں مجھے ملے کہ جس کی وجہ سے مجھے ان مسائل کو سمجھنے اوراس کتاب کو لکھنے میں بہت مدد ملی البتہ میں نے اس کے بارے میں رسالوں اوراخباروں کا بھی مطالعہ کیا۔

لیکن کتاب ''انتخاب ہمسر'' تو گھریلو مسائل کے بارے میں تحقیق کرتے وقت میں

اس بات کی طرف متوجہ ہوا کہ اکثر گھریلو مشکلات اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ آج کل کے لڑکے اور لڑکیاں سوچ سمجھ کر شادی نہیں کرتے ہیں، بعد میں انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور میں نے سوچا کہ جوانوں کے لئے ایک اہم ضرورت شریک حیات کا انتخاب ہے اور تحقیق وجستجو کے بعد مجھے اس موضوع کے بارے میں کوئی خاص کتاب نہیں ملی البتہ بعض کتابوں میں بہت ہی جزئی مسائل موجود تھے لیکن کوئی ایسی کتاب جو جوان لڑکوں اور لڑکیوں کے بارے میں مفید ہوتی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے میں نے ''انتخاب ہمسر'' نامی کتاب لکھی۔

اس ضمن میں چونکہ میں بعض سمیناروں میں شرکت کرتا تھا تو میں نے یہ محسوس کیا اسی موضوع کے متعلق اسلامی تعلیم وتربیت کے بارے میں ایک علمی کتاب کی ضرورت ہے تاکہ وہ پڑھے لکھے لوگوں کے سوالات کا جواب دے سکے۔ اسی وجہ سے کتاب ''انتخاب ہمسر'' لکھنے کے ساتھ ساتھ میں نے ایک نئی کتاب ''اسلام وتعلیم وتربیت'' کے نام سے لکھنا شروع کی، البتہ ان کتابوں سے پہلے میں نے کتاب ''بانوئے نمونۂ اسلام'' لکھی اور وہاں بھی میں نے یہی کوشش کی کہ اخلاقی پہلوؤں کو سیرت کے عنوان سے لکھوں، نہ یہ کہ تاریخ کے عنوان سے یہ تمام کتابیں اس زمانے کے لئے ضروری تھیں اب بھی مختلف سمیناروں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے کام انجام دینے کے ساتھ ساتھ میرا ایک کام گھریلو مسائل کو حل کرنا ہے اور مجھ سے جتنا ممکن ہوتا ہے میں اسے انجام دیتا ہوں۔ اس کو انجام دیتے وقت خوشی محسوس کرتا ہوں البتہ افسوس کہ ان مسائل کے حل کے لئے میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے البتہ اگر وقت ہو تو میں منع نہیں کرتا ہوں۔

سوال: مشترک زندگی گذارنے کے بارے میں ہم لوگوں تک مفید معلومات کس طرح پہنچا سکتے ہیں؟

جواب: میرے خیال سے عام وسائل مثلاً ریڈیو، ٹیلی ویزن اوراخبار زیادہ سے زیادہ شادی اور گھریلو زندگی کے بارے میں توجہ دیں، نیز کتابیں بھی اس سے واقفیت کا ایک مہم وسیلہ ہیں۔ لیکن کیونکہ یہ مہنگی ہیں لہٰذا بہت سے گھرانے اسے نہیں پڑھتے۔ بہت بہتر ہوتا اگر کچھ افراد رضا کارانہ طور پر گھر کی تربیتی کتابوں کو سستے داموں میں لوگوں تک پہنچاتے یا دوسرے رفاہی ادارے جو کبھی کبھی ہزاروں لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی کرواتے ہیں کاش یہ لوگ جس طرح ان کو جہیز میں فرج یا ٹیلی ویزن وغیرہ دیتے ہیں اس کے ساتھ ایک اخلاقی کتاب بھی انہیں دیتے ہمارے ملک میں ایک کتاب کی قیمت عام طور پر سو روپیہ سے زیادہ نہیں ہوتی ہے جو کہ لڑکی کو دئے جانے والے جہیز کی قیمت کے مقابلہ میں بہت مختصر ہے۔

اس کے علاوہ، میں اس بات کا قائل ہوں کہ گھریلو اختلافات ختم کرنے اور کامیاب شادیاں کرانے کے لئے اس سے متعلق کچھ کلاسیں رکھی جائیں لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوتا ہے، جب کہ اہل دنیا کا دستور یہ ہے کہ اگر کسی کو تعلیم دینے یا کسی دوسرے کام کے لئے منتخب کیا جاتا ہے تو اس کے لئے ایک خاص ٹریننگ رکھی جاتی ہے اور اگر وہ ٹریننگ میں شرکت نہ کرے تو اس کا تقرر نہیں کیا جاتا ہے۔ لیکن شادی زندگی کا ایک بیحد حساس مسئلہ ہے مگر لڑکے اور لڑکی دونوں کی شادی اس وقت ہوتی ہے کہ جب وہ دونوں اس سے متعلق اپنے اکثر فرائض سے ناواقف ہوتے ہیں کیونکہ اسکولوں اور مدرسوں کے نصاب تعلیم میں یہ باتیں بیان نہیں کی جاتی ہیں اور نہ ہی اس کے لئے خاص کلاسیں رکھی جاتی ہیں اگر ہمارا

اسلامی نظام، لڑکے اور لڑکی کو اس بات پر مجبور کرتا کہ وہ صرف اس صورت میں شادی کر سکتے ہیں جب وہ اس بارے میں مختصر ٹریننگ کرلیں جس میں گھریلو مسائل بیان کئے جائیں اور جوانوں کو ان سے آگاہ کیا جائے اور اس کے بعد انہیں شادی کرنے کی اجازت دی جاتی۔ اگر واقعا ایسا ہوتا تو میرے نظریہ کے مطابق شوہر اور بیوی کے جھگڑے کم ہوتے، مخصوصاً علمائے دین اس مسئلہ کی طرف زیادہ توجہ دیں، بعض طالب علم اپنے شہروں میں اس قسم کے کام انجام دے رہے ہیں مگر یہ کافی نہیں ہے۔ بلکہ ایک عمومی سطح پر یہ کام ہونا چاہئے جس میں سب کا تعاون شامل ہو۔

سوال: ایران میں عورتوں کی آزادی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ماضی میں عورتوں پر اکثر ظلم ہی ہوا ہے اور ان سے ان کے حقوق چھینے گئے ہیں جو یوروپین ممالک آج عورتوں کو ظاہری آزادی دئے ہوئے ہیں مگر تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے عورتوں پر بہت ظلم کیا ہے اور یہی مشکل باعث ہوئی کہ جس کی بنا پر بیسویں صدی کے شروع میں ایک تحریک شروع ہوئی جو ''عورتوں کے حقوق کے دفاع'' کے نام سے تھی، یہ منصفانہ طور پر ایک مناسب اور برمحل تحریک تھی کیونکہ اسی تحریک کی وجہ سے بہت سے دانشمندوں اور نیک افراد کی فکریں عورتوں کے حقوق کی طرف متوجہ ہوئیں اور اس میں بہت سی عورتوں اور کچھ مردوں نے حصہ لیا اور اس کی تبلیغ کی۔ جس مسئلہ کو اس وقت ان لوگوں نے بیان کیا وہ یہ تھا کہ عورت اور مرد ہر طرح سے برابری کے ساتھ زندگی گذاریں اور عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، عورت بھی انسان ہے اور اسی طرح مرد بھی انسان ہے اور دو انسانوں کے حقوق بالکل یکساں ہوتے

ہیں جس طرح مرد کام، مالکیت یا دوسرے مسائل میں آزاد ہے اسی طرح عورت کو بھی آزاد ہونا چاہئے اور اس طرح ایک وسیع پیمانہ پر تحریک شروع ہوئی اور اس کے بارے میں بہت زیادہ پروپیگنڈہ بھی ہوا لیکن اس تحریک میں مندرجہ ذیل مشکلات بھی تھے۔

پہلی مشکل: اس تحریک میں گھریلو مسائل پس پردہ چلے گئے اور فقط آزادی اور مساوات کا ہنگامہ سنائی دینے لگا، لیکن یہ آزادی اور برابری ہر گھرانہ کے ساتھ کیا سلوک کرے گی اور گھروں کے اندر اس کا نتیجہ کیا ہوگا اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔

دوسری مشکل: جب وہ لوگ آزادئ نسواں اور، برابری کا نعرہ لگایا کرتے تھے تو اس بات کو بالکل فراموش کر دیتے تھے کہ عورت کی خلقت ایک مخصوص انداز سے ہوئی ہے یعنی وہ عورت کو ایک انسان قرار دے کر یہ کہتے تھے کہ وہ مرد کی طرح بالکل آزاد ہے اور ان دو پہلوؤں سے غفلت کی وجہ سے عورتیں کام کرنے کے لئے بازاروں میں گھسیٹی گئیں۔ کیونکہ حقوق نسواں کا دفاع کرنے والوں کا یہ خیال تھا کہ اگر عورتیں اقتصادی کاموں میں شرکت کرنے لگیں تو مرد ان پر ظلم وستم نہیں کر پائیں گے۔

دوسری طرف اس زمانہ میں اقتصادی میدان میں وسعت اور کارخانوں میں اضافہ ہو رہا تھا اور اسی طرح کی دوسری چیزیں عروج پر تھیں اور ان جگہوں پر کام کرنے والوں کی ضرورت تھی۔ ان کارخانوں کے مالکوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا کیونکہ انہیں یہ معلوم تھا کہ بہت جلد ہی عورتیں بازاروں میں قدم رکھنے والی ہیں اور ان سے کم پیسوں پر کام لیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا بڑے بڑے سرمایہ داروں نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھالیا۔ جب کہ دوسری طرف عورتوں نے یہ محسوس کیا کہ انہوں نے اپنا ایک حق حاصل کرلیا ہے، جس میں انہیں بہت خوشی ہوئی مگر وہ اس بات سے غافل رہیں کہ عورتوں کے لئے بہت سے کام نا

مناسب ہیں یا ان کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے صحیح نہیں ہیں، خلاصۂ کلام یہ کہ کارخانوں کے مالک، یعنی وہی حضرات جو پہلے گھر میں عورتوں کو کچلا کرتے تھے وہی کارخانوں میں بھی ان پر مسلط ہو گئے۔ اس کے علاوہ مرد، عورتوں کے ذریعہ گاہکوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے بھی استفادہ کرنے لگے اسی وجہ سے بعض عورتیں آفسوں میں، اشتہارات جیسی چیزوں میں، سنیما ہال اور کلب میں گھسیٹی گئیں تا کہ مردوں کی اندرونی لذت کے اسباب فراہم کر سکیں مختصر یہ کہ مرد اور عورت کی برابری کا نتیجہ وہی ہے جو آج ہم مغربی ممالک میں دیکھ رہے ہیں۔

مغربی ممالک میں اکثر گھرانوں کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اگر چہ یہ ایک عام قاعدہ نہیں ہے لیکن واقعاً وہاں گھروں کے اندر زندگی بسر کرنا بہت مشکل ہے۔ ایک زمانے میں جب میں ''آسٹریلیا'' گیا تھا تو اس وقت مجھ سے یہ بتایا گیا کہ یہاں سو فی صد سے زیادہ شادیاں طلاق میں تبدیل ہو جاتی ہیں، ناجائز بچے بہت زیادہ ہیں طلاق اور غیر شادی شدہ مرد اور عورتوں کی شرح تعداد بہت زیادہ ہے۔

مثلاً وہاں ناجائز اولاد ہونا کوئی بری بات نہیں ہے اور کوئی پریشانی نہیں ہے۔ مغربی ممالک میں اسی تحریک کی بنا پر جو انہوں نے خود شروع کی بہت برے حالات پیدا ہو گئے ہیں اور یہ بات بہت خطرناک ہے کیونکہ آج کل ایک ملک سے دوسرے ملک کا رابطہ بہت جلد قائم ہو جاتا ہے اور اب اکثر ممالک ایک دوسرے سے بالکل نزدیک ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی حادثہ کسی ایک جگہ رونما ہوتا ہے تو وہ دوسرے ممالک میں بھی سرایت کر جاتا ہے۔

میں یہاں پر انقلاب اسلامی کی کامیابی سے پہلے ایران کی صورتحال کی طرف اشارہ کر رہا ہوں کہ اس زمانہ میں ایران میں بھی عورتیں دوسری تمام جگہوں کی طرح مظلوم تھیں

ان پر ظلم وستم ہوتا تھا اور بہت سی جگہوں پر ان کا حق پامال کیا جاتا تھا، بعض مرد عورتوں پر ظلم کرتے تھے ان کے لئے بہت سی غلط پابندیاں لگاتے تھے اور افسوس کہ ان میں سے بہت سی باتوں کو اسلام سے ماخوذ بتاتے تھے اگر چہ اسلام سے اس کا کوئی رابطہ نہ ہو، یہاں تک کہ یہ تحریک جو یورپ میں شروع ہوئی تھی وہ کتابوں، دوسری تحریروں اور رابطہ کے دیگر وسائل کے ذریعہ ایران میں بھی آ گئی اور گذشتہ حکومت (شاہی حکومت) کی حمایت سے ''عورتوں کے حقوق کا دفاع'' کے نام سے ایک تحریک شروع ہوئی بلکہ جس طرح کی تحریک یورپ میں شروع ہوئی تھی اسی طرح کی تحریک یہاں بھی شروع ہوئی۔ اس وقت حقوق کی برابری اور عورتوں کی آزادی کا مسئلہ اٹھایا گیا اور اس کے ذریعہ عورتوں کو بے راہ روی کی طرف گھسیٹا گیا اور ان کا پردہ چھین لیا گیا۔

اس زمانہ میں بعض لوگ یہ چاہتے تھے کہ پہلا رویہ اختیار کئے رہیں لہٰذا وہ اپنی بیویوں کے ساتھ پہلے کی طرح بدسلوکی کرتے تھے نیز وہ بہت زیادہ متعصب تھے۔ دوسرے وہ لوگ جو ان کے کردار ورفتار کے حامی تھے وہ بھی اسی جماعت میں شامل ہو گئے جس سے مزید بے راہ روی پیدا ہو گئی اور گھر کی مقدس بنیادوں کو خطرہ لاحق ہو گیا یہاں تک کہ خداوند عالم نے لطف وکرم کیا اور ایران کا اسلامی انقلاب کامیاب ہو گیا۔ اگر انقلاب کامیاب نہ ہوتا تو اگر چہ ہم بالکل مغربی لوگوں کی طرح نہ ہوتے لیکن ہماری عورتوں اور ہمارے معاشرہ کے حالات بھی خراب ہو جاتے۔

جب انقلاب کامیاب ہوا تو تبلیغ اور پابندیوں کے بغیر ہی اکثر عورتوں نے اپنے شعبوں میں پردہ کی پابندی کی، جس کے نتیجہ میں حالات بہت اچھے ہو گئے تھے۔ امام خمینیؒ نے اپنی حکیمانہ ہدایات سے عورتوں کو سماج میں ان کے مناسب مقام سے نوازا اور اگر امام

خمینیؒ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید عورتیں اتنی جلدی سماج میں فعال کردار ادا نہ کرتیں امام اپنی تقریروں میں ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے، تا کہ جو قدامت پسند اور قدیم رسم ورواج میں جکڑے ہوئے لوگ سماج میں عورتوں کے قدم رکھنے کے مخالف ہیں اس سلسلہ میں ان کے ہاتھ کاٹ دئے جائیں۔

یہ بہت اچھا موقع تھا کیونکہ جو لوگ پہلے غیر منطقی آزادیوں میں مبتلا تھے وہ نسبتاً ایسے ماحول سے خوشحال تھے، کیونکہ انہیں کام کرنے اور معاشرہ میں حاضر ہونے کے لحاظ سے آزادی مل گئی تھی، جس سے عورتوں کے لئے ایک اچھا میدان عمل فراہم ہو گیا تھا تا کہ وہ اچھی طرح اپنے واقعی حقوق حاصل کرلیں اور مشکلات سے چھٹکارا پا جائیں۔ لیکن شاید اس موقع سے صحیح فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا کیونکہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ عورتیں صحیح راستوں پر گامزن ہو جاتیں، یعنی وہی راستہ جو اسلام نے ان کے لئے بتایا تھا۔ انہیں چاہئے تھا سوچ سمجھ کر سماج میں داخل ہوتیں اور اپنے حقوق کو حاصل کرتیں لیکن اکثر جگہوں پر ایسا نہ ہوسکا۔ کیونکہ پہلے زمانے میں بہت سے ضدی لوگ اپنی لڑکیوں کو اسکول جانے کی اجازت نہیں دیتے تھے اور اب لڑکیوں کے لئے اسکول اور کالج جانے کا موقع تو فراہم ہو گیا لیکن صرف پڑھنے اور سندیں حاصل کرنے سے عورتوں کی مشکلیں حل نہیں ہوئیں اور نہ ہو سکتی ہیں البتہ یہ چیزیں اچھی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عورت تعلیم حاصل کرے، آزادی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کرے، ووٹ دے، امیدوار بن جائے، اور پارلیمنٹ کے انتخابات اور فلموں وغیرہ کے کاموں میں شرکت کرے، یہ چیزیں بہت اچھی ہیں، لیکن کیا عورتوں کی مشکل فقط یہی چیزیں ہیں؟ یا آج کل کے زمانہ میں عورتوں کو اس بات کی طرف رغبت دلائی جاتی ہے کہ مختلف کھیلوں کے ٹورنامنٹ میں حصہ لیں اور شاید بہت سی عورتوں کی

آرزو ہے کہ وہ ملکی ٹورنامنٹ میں حصہ لیں اور اپنے پسندیدہ کھیل میں کامیابی حاصل کریں، البتہ کھیل کود، عورتوں کے لئے جائز ہے، لیکن صاف سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ان کی بنیادی مشکلیں نہیں ہیں۔ عورتوں کو چاہئے تھا کہ صحیح راستوں پر چل کر اپنے حق کو حاصل کرتیں، کھیل کود کا پیشہ عورتوں کی کون سی بنیادی مشکلوں کو حل کرسکتا ہے؟

ہم ان کاموں کے نتیجہ میں کہ جسے انجام دیا ہے، (ان میں سے بہت سے بے سوچے سمجھے تھے) دو چیزوں سے بے خبر رہے ایک گھریلو مسائل کے بارے میں فکر نہیں کی کہ عورت اگر یہ سب کام انجام دے گی تو گھرانہ کی بنیادیں مضبوط ہوں گی یا کھوکھلی؟ طلاق کی تعداد میں اضافہ ہوگا یا کمی؟ ہم نے اپنے فارمولہ میں اصلاً گھرانوں کی بنیادوں کے مضبوط کرنے یا کمزور ہونے کے بارے میں کوئی فکر نہیں کی جب کہ ہمارے لئے ضروری تھا کہ ہر کام کو اس کے معیار کے مطابق عملی جامہ پہناتے، کیونکہ گھرانہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اگر وہ مضبوط ہو تو سماج بھی مستحکم رہتا ہے اور اس کا استحکام مرد کے لئے بھی فائدہ مند ہے اور عورت کے لئے بھی مفید ہے اور اگر وہی کھوکھلا ہو گیا تو مرد کے لئے بھی نقصان دہ ہے اور عورت کے لئے بھی، مگر افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اب طلاق کی تعداد پہلے سے کم ہونے کے بجائے زیادہ ہوگئی ہے۔ جب کہ ہمارے یہاں اسلامی حکومت ہے اور طلاق ہر اعتبار سے ناپسندیدہ کام ہے اور اسلام کی نگاہ میں اس میں کمی ہونا چاہئے۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اس میں اضافہ ہوگیا ہے اور یہ اسی کمزوری اور ناپختگی کی بنا پر ہے۔ میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں کہ جنھیں دوسروں کے گھریلو اختلافات حل کرنا چاہئیں مگر وہ خود اپنے گھر والوں کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں۔

دوسرا نکتہ کہ جو معاشرہ میں عورت کے حاضر ہونے کی وجہ سے فراموش ہوگیا ہے وہ

اس کی جسمانی ساخت تھی کہ عورت کون سے کام کرسکتی ہے تا کہ ان کاموں کو بھی جو فطرتاً اس کے خمیر میں رکھے گئے ہیں اور خداوند عالم نے آغاز خلقت سے اس کے کاندھوں پر ڈالیں ہیں، اچھی طرح انجام دے سکے اور سماج میں بھی اس کا اچھا نتیجہ ہو اور اچھا کام کرے۔ لہٰذا پہلے سے یہ طے ہونا چاہئے تھا اور اس بات کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ اس کے لئے کون سا کام مناسب ہے۔ چنانچہ اگر یہ پہلے سے طے نہ ہوگا تو مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ ہم بھی آہستہ آہستہ اہل مغرب کو درپیش مشکلات سے دوچار ہو جائیں گے اور میں اس بارے میں بیحد خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔

سوال: کیا خاندان کا مقام و مرتبہ اسلام کے تربیتی اور حقوقی نظام میں معین اور ناقابل تغیّر بنیادوں پر استوار ہے، کہ جسے کسی وجہ سے بھی تبدیل نہیں کیا جا سکتا؟

جواب: گھر کے مسائل معاشرہ کے دشوار مسائل میں شامل ہیں اور ان کی تحقیق کے لئے بہت وسیع بحث کی ضرورت ہے لیکن ہم مختصر طور پر بیان کر رہے ہیں کہ گھر کی اہمیت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے اور سماجیات کے ماہرین بھی اس بات کو قبول کرتے ہیں، گھر کی فضاء اور اس کا ماحول شوہر اور بیوی کے لئے بہترین جائے امن اور آرام وسکون کی جگہ ہے، نیز اسے بچوں کی صحیح تربیت کا مرکز سمجھا جاتا ہے اور آئندہ بھی سمجھا جائے گا۔ اگر گھروں کا ماحول سالم ہو تو سماج بھی سالم رہے گا اور اگر گھروں کا ماحول خراب ہو تو معاشرہ بھی سالم نہ رہ سکے گا۔

اسلام نے بھی گھروں کے مسائل کو بہت اہمیت دی ہے اور اپنے قانون، حقوق اور احکام کو اس طرح مرتب کیا ہے اور بنایا ہے کہ گھر کی بنیادیں محفوظ اور مضبوط رہیں، اسی

بنا پر ہر گھرانہ اور خاندان کی حفاظت اور اس کے استحکام کو اسلام کی نگاہ میں ایک بنیادی حیثیت کے قانون کے عنوان سے قبول کیا گیا ہے۔ لیکن گھریلو احکام اور حقوق زندگی مختلف حالات اور شرائط کے اعتبار سے بدلنے والے اور تبدیلی کے قابل ہیں۔

سوال: آپ کا جو دینی اور حوزوی نظریہ ہے اس کا دوسرے نظریوں سے اصل فرق کیا ہے؟

جواب: دیندار حضرات جو عورتوں کے حقوق کا دفاع کرتے ہیں یہ تحریک اسلامی اعتبار سے نپے تلے انداز میں اور واضح وروشن اسلامی اصولوں کے مطابق شروع نہیں ہوئی ہے کہ جس میں ہر اعتبار سے ہم آہنگی اور یکسانیت پائی جاتی ہو۔ نیز اس میں عورت کی پیدائشی ساخت، گھریلو بنیادوں کی حفاظت اور استحکام کو مدنظر رکھا گیا ہو اور فطرتاً عورتوں کے حقوق کا دفاع کرنے والوں کے درمیان ایک متفاوت اور مختلف روش پیدا ہوئی۔ بہت سے روشن فکر حضرات، کہ جو مغربی عورتوں کے حالات زندگی کو پسند کرتے تھے انہوں نے عورتوں کی آزادی اور برابری کو تو مدنظر رکھا مگر وہ عورت کی جسمانی ساخت اور گھرانوں کی بنیادوں کی حفاظت اور ان کے استحکام کو نظر انداز کرتے ہوئے اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ مسلمان عورتوں کو بھی اسی طرف کھینچ کر لے جائیں جہاں مغربی عورتیں پہنچا دی گئی تھیں اور انہوں نے اپنے نقصانات کا خود مشاہدہ کیا تھا کہ یہ کام خطرناک ہے۔ اس کے برخلاف دوسرا گروہ اس بات کی کوشش کرتا تھا کہ عورتوں کو انہیں سابقہ رسموں میں جکڑے رکھے اور وہ اسے اسلام کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں، اور وہ اس بات کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اس ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر اسلام کے صحیح نظریہ کو قبول کرلیں اور عورتوں کو جائز آزادی

دے کران کا حق انہیں دے دیں۔ چنانچہ میں ان دونوں حضرات کے بارے میں یہی سمجھتا ہوں کہ یہ افراط وتفریط کا شکار ہوئے ہیں، میں عورتوں کے مسائل کے دفاع کے بارے میں اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ ہر مسئلے میں اسلام کے واقعی حکم کو پہچان لوں اوراس پر عمل کروں نیز عورت کی جسمانی ساخت اور گھریلو ماحول کے استحکام اور مضبوطی کی طرف توجہ بھی رکھتا ہوں۔ لہٰذا حد ''اعتدال'' ہی میرے نظریہ کا ممتاز رخ ہے۔

سوال: اسلام کی نگاہ میں عورت کی کیا اہمیت ومنزلت ہے؟

جواب: اسلام اور قرآن کی نگاہ میں عورت کا وہی مقام ہے جو ایک انسان کا مقام ہے یہ بات قابل تعجب ہے کہ دو ہزار اور چند صدی پہلے عورت کو ایک حقیر اور کمزور چیز سمجھا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگ اس کے انسان ہونے کے بارے میں شک کرتے تھے۔ اسلام نے کبھی بھی اس موضوع کو براہ راست بیان نہیں کیا بلکہ اس نے انسان کے بارے میں جو مسائل بیان کئے ہیں ان میں فطرتاً عورت اور مرد دونوں ہی شامل ہیں۔ اسی بنا پر عورت کے مقام کو جاننے کے لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ اسلام کی نگاہ میں انسان کے مقام کو پہچانیں اور خود یہ موضوع بہت وسیع بحث کا محتاج ہے۔ لیکن ہم یہاں مختصر طور سے یہ عرض کررہے ہیں کہ اسلام انسان کو تمام موجودات سے ممتاز اور برتر جانتا ہے کہ جو روح اور جسم سے مل کر بنے ہیں، انسان ایک باقی رہنے والا جاندار ہے کہ اس کی خلقت کا ضرور کوئی مقصد ہے اور وہ مقصد زندگی کے تمام مرحلوں میں روحانی کمال اور سعادت حاصل کرنا ہے۔ اسلام انسان کو ایک ایسی برتر مخلوق سمجھتا ہے کہ جو اشرف مخلوقات ہے اور اس کی اسی شرافت کے تحت اس کے کاندھوں پر کچھ ذمہ داریاں رکھی گئی ہیں۔ البتہ یہ

ایک مختصر سا تذکرہ ہے جس کے لئے طویل گفتگو کی ضرورت ہے اور اس بیان سے عورت کا مرتبہ ومقام بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ قرآن اور حدیثوں میں اس موضوع کی کافی تاکید ہوئی ہے اسی میں سے ایک یہ آیۂ کریمہ یہ بھی ہے:

''ہم نے بنی آدم کو کرامت عطا کی ہے، انہیں خشکی اور دریاوں میں سواریوں پر اٹھایا ہے، انہیں پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سو پر فضیلت دی ہے۔''(۱)

البتہ بہت سے مفسرین کہتے ہیں ممکن ہے عالی موجودات یہاں تک کہ فرشتوں کے علاوہ کوئی دوسری عالی موجودات ایسی ہوں کہ جن پر انسان برتری رکھتا ہے بعض آیات وروایات سے پتہ چلتا ہے کہ انسان فرشتوں پر بھی برتری رکھتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کم تعداد جس پر انسان برتری نہیں رکھتا ممکن ہے وہ ایک بلند مرتبہ اور خاص مخلوق ہوں۔ بہر حال اس آیت کو ہم نے اس لئے بیان کیا ہے تا کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ انسان بہت سی موجودات پر برتری رکھتا ہے اور بنی آدم میں عورت اور مرد دونوں برابر سے شریک ہیں۔ کیونکہ اگر عورت برتر نہ ہوتی تو آیت میں اس طرح کہا جاتا ''میں نے مردوں کو برتری عطا کی ہے''۔

دوسری آیت جس میں یہ ارشاد ہے:

''ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا ہے۔''(۲)

---

(۱) اسراء (۱۷) آیت ۷۰ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا

(۲) التین (۹۵) آیت ۴ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ

یعنی انسان کی جسمانی اور روحانی ساخت نہایت بہترین ہے۔ اس ''بہتر ہونے کو'' مفسروں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ انسان بہت سے ایسے کام انجام دے سکتا ہے جو فرشتے انجام نہیں دے سکتے، یہاں پر بھی لفظ انسان استعمال کیا گیا ہے نہ لفظ مرد، یعنی عورت بھی مرد کی طرح اس کام میں برابر کی شریک ہے جناب آدمؑ کی خلقت کے بارے میں ہے کہ جن کا مفصل قصہ قرآن نے یوں بیان کیا ہے کہ خداوند عالم نے فرشتوں سے کہا کہ ''میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں'' اور وہ خلیفہ صرف مرد نہیں تھا بلکہ انسان تھا۔ یعنی سب بنی آدم، اسی لئے پوری تاریخ بشریت کے تمام انسان خدا کے خلیفہ ہیں اور اس اعتبار سے مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ خصوصیات جو جناب آدم کو حاصل ہوئیں یا خدا نے جن اسماء کی انہیں تعلیم دی تھی کہ انہوں نے انہیں سمجھ لیا تو یہ جناب آدمؑ کے انسان ہونے کے اعتبار سے تھا۔ نہ یہ کہ مرد ہونے کے اعتبار سے، چونکہ آپ انسان تھے لہٰذا آپ انہیں سمجھ گئے اور اس کا جواب دیدیا، لہٰذا عورت بھی اسی طرح ہے۔ جب فرشتوں نے دیکھا کہ آدم نے جواب دیدیا اور وہ جواب نہ دے سکے تو انہوں نے حضرت آدم کے سامنے سجدہ کیا اور خضوع کا اظہار کیا: فسجد الملائکة کلهم اجمعون .

درحقیقت ملائکہ کا سجدہ انسانی طاقت اور اس کی خصوصیات کے سامنے تھا، جن میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

ممکن ہے کوئی یہ کہے: کہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ قرآن مجید نے مختلف آیات میں صرف آدم کا ذکر کیا ہے مثلاً وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّها (۱) اور وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَم (۲)

(۱) بقرہ (۲) آیت ۳۱
(۲) گذشتہ حوالہ: آیت ۳۴

اور لفظ آدم ایک شخص اور ایک خاص انسان سے مخصوص ہے اور اسم علم کے عنوان سے بیوی کے مقابل استعمال ہوتا ہے مثلاً: يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ (۱)

اب کس طرح سے ہم اسے عام قرار دے سکتے ہیں یعنی آدم سے کس طرح انسان کے معنی سمجھ سکتے ہیں؟

اس کے جواب میں ہم کہے گے کہ یہ صحیح ہے کہ یہاں مخاطب آدم ہے مگر آدم کبھی مرد کے عنوان سے استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی انسان کے اعتبار سے، نہ یہ کہ خداوند عالم چاہتا تھا ایک کو یا ایک خاص انسان کو اپنا خلیفہ قرار دیدے۔ کیونکہ جس وجہ سے حضرت آدم نے اسماء کو سمجھا وہ ان کی وہی انسانی روح تھی اور جس وجہ سے ملائکہ نے سجدہ کیا وہ یہی انسانی شخصیت تھی، نہ یہ کہ کسی خاص شخص یا جنس کی وجہ سے ایسا ہوا ہو۔ اس کے علاوہ کہ قرآن کی بعض آیات میں لفظ بنی آدم بھی آیا ہے۔

اسی لئے وہ نظریہ جو کہ ملائکہ نے سوال کی شکل میں یوں پیش کیا تھا کہ تو زمین پر ایک ایسی مخلوق کا کیوں اضافہ کرنا چاہتا ہے جو فساد اور خون ریزی برپا کرے۔ تو درحقیقت ان کا یہ نظریہ بنی نوع انسانی کے بارے میں تھا نہ یہ کہ صرف حضرت آدم کے بارے میں اور ان کا یہ نظریہ بھی اس وجہ سے تھا کہ یہ مخلوق مادی تھی اور مادی مخلوق کے فساد پیدا کرنے کے امکانات ہیں۔ نیز وہ فساد جس کا ان لوگوں نے احتمال دیا تھا وہ دونوں جنسوں (مرد اور عورت) کے بارے میں تھا اور جو چیز اپنی شخصیت کو ظاہر کر سکتی تھی وہ یہی انسانیت تھی، یہ کہ اسلام نے اصلاً عورت اور مرد کو جدا نہیں کیا ہے۔ یہ ایک دلچسپ نکتہ ہے یعنی یہ اتنی واضح سی

(۱) گذشتہ حوالہ: آیت ۳۵

بات ہے کہ جو کسی بحث کی محتاج نہیں ہے۔ مخصوصاً اس زمانہ میں کہ جب بعض لوگ عورت کے انسان ہونے کے بارے میں شک کرتے تھے اور اسلام اس مسئلہ میں دفاع کی ضرورت کو محسوس نہیں کرتا۔ آپ کو کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ملے گی کہ اسلام نے یہ کہا ہو کہ عورت بھی انسان ہے۔ چونکہ یہ ایک واضح سی بات ہے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ تمام قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ملے گی کہ جس نے عورت کو مرد سے کمتر بتایا ہو یا یہ کہ اس کی عقل میں عیب یا سماجی کاموں میں کمی بتائی ہو۔ قرآن نے کسی جگہ بھی عورت کی نسوانیت کی مذمت نہیں کی ہے۔ البتہ بعض جگہوں پر عورت کی مذمت کی ہے مگر وہ بھی عورت ہونے کے اعتبار سے نہیں بلکہ اس کے عمل کی وجہ سے، جس طرح کہ مرد کی مذمت بھی اس کے عمل کی وجہ سے کی گئی ہے۔

سوال: جو ذمہ داریاں اسلام نے مشترک طور پر مرد اور عورت کے اوپر رکھی ہیں وہ کیا ہیں؟

جواب: انسان خداوند عالم کی مخلوقات میں سب سے زیادہ ممتاز حیثیت رکھتا ہے اور اس کی ایک ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی نوعیت کو محفوظ رکھے تا کہ اس کا سلسلہ باقی رہ سکے کیونکہ انسان ایسی مخلوق نہیں ہے کہ اگر ختم ہو جائے تو اس سے کوئی نقصان نہ ہوگا بلکہ وہ ایسی مخلوق ہے جو کامل، شریف، اور مقصد خلقت عالم۔ ہے اسی لئے ان کے کاندھوں پر پہلی ذمہ داری یہ رکھی گئی ہے کہ وہ اپنی نسل کو آگے بڑھائیں اور اسے باقی رکھیں۔ البتہ اس کا وسیلہ وہی جنسی خواہش ہے جو عورت اور مرد دونوں کے وجود میں رکھی گئی ہے۔ علامہ طباطبائی نے اپنی تفسیر میں اسے اس طرح بیان کیا ہے: جنسی طاقت کی فراہمی دراصل اس

حقیقت کی سرپوشی ہے کہ خداوند عالم چاہتا تھا کہ انسانی نسل باقی رہے۔ یہ ذمہ داری مرد اور عورت دونوں کے اوپر ڈالی گئی ہے اور یہ دونوں ہی نسل کو باقی رکھنے کا ذریعہ ہیں۔ قرآن نے اس موضوع کو ذکر کیا ہے اور اس آیۂ شریفہ: **یا ایها الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی** : میں اولاً تو مخاطب ''ناس'' ہیں جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں اور اس کے بعد فرماتا ہے کہ ہم نے تم کو ایک مذکر اور ایک مونث سے خلق کیا ہے۔ یہاں بھی دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور دونوں کے درمیان اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے اور اس کے بعد آیت کے آخری حصہ میں فرماتا ہے ''**إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُم**''(۱)

یہاں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے جس طرح مرد باتقویٰ ہوسکتا ہے۔ اسی طرح عورت بھی متقی ہوسکتی ہے۔ یا اسی طرح دونوں راہ راست سے منحرف ہو سکتے ہیں۔ دوسری مشترکہ ذمہ داری جو ہر انسان کے کاندھوں پر رکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کو کمال تک پہنچائے اور اس دنیا سے آخرت کے لئے فائدہ اٹھائے اور اپنی دنیا اور آخرت کو آباد کرے۔ یہ نفسانی کمال، معنوی بلندی، دنیاوی اور اخروی زندگی میں کمال حاصل کرنا ایک ایسی مشترکہ ذمہ داری ہے جو ہر انسان کے سپرد کی گئی ہے اور اس اعتبار سے اس میں عورت اور مرد بالکل یکساں ہیں۔ اس بارے میں بہت سی آیتیں ہیں کہ جن میں سے ہم بعض کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً (۲)

---

(۱) حجرات (۴۹) آیت ۱۳.

(۲) نحل (۱۶) آیت ۹۷

جو شخص بھی عمل کرے گا چاہے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو ہم اسے پاکیزہ حیات عطا کریں گے۔

اچھی زندگی دنیا اور آخرت میں ایک ساتھ ہے۔ دنیا اور آخرت کی زندگی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہے اسی دنیا میں انسان اچھی زندگی میں داخل ہوتا ہے اور آخرت میں اسی کو آگے بڑھاتا ہے۔ جب کہ اسی آیت کے آخر میں خدا فرماتا ہے:

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُون

اور انہیں ان اعمال سے بہترین جزا دے گا جو وہ زندگی میں انجام دے رہے تھے۔ (۱)

یہاں ملاحظہ کریں کہ خداوند عالم صراحت کر رہا ہے کہ مرد اور عورت ہر ایک اگر اس عمل کو انجام دیں تو انہیں ''حیات طیب'' دی جائے گی اور اسی طرح دوسری آیت ہے:

" أَنِّي لاأُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ "

میں تم میں سے کسی بھی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔ (۲)

اور یہ آخری جملہ "بعضکم من بعض" بہت دلچسپ ہے کیونکہ ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ بعض مرد بعض مردوں سے ہیں یا بعض عورتیں بعض عورتوں سے ہیں یا بعض مرد اور بعض عورتیں ایک دوسرے سے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عورت اور مرد میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے سب ایک ساتھ رہیں اور اپنی زندگی کو ایک

---

(۱) گذشتہ حوالہ:

(۲) آل عمران (۳) آیت ۱۹۵.

ساتھ آگے بڑھائیں اوراس انسانی مقصداورمنزل کمال تک پہنچنے کے لئے ایک دوسرے کی مدد کریں۔

جس طرح قرآن میں بعض مردوں کی تعریف ایمان اورعمل صالح کی بنا پر کی گئی ہے۔اسی طرح بعض عورتوں کی بھی تعریف ہوئی ہے۔مثلاً جناب مریمؑ کے بارے میں یہ دلچسپ اورخوبصورت تعبیر استعمال کی گئی ہے:

وَإِذْ قَالَتْ الْمَلاَئِكَةُ يَامَرْيَمُ إِنَّ اللهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِين

اوراس وقت کو یاد کرو جب ملائکہ نے مریم کوآواز دی کہ خدا نے تمہیں چن لیا ہے اور پاکیزہ بنادیا ہےاورعالمین کی عورتوں میں منتخب قراردیدیا ہے۔(۱)

اوریہ بہت بڑی فضیلت ہے یا آسیہ زوجۂ فرعون بھی اسی طرح ہیں قرآن میں ان کی بھی تعریف بیان ہوئی ہے "وضرب الله مثلا للذين آمنوا امرأة فرعون"(۲)

"اورخدا نے ایمان والوں کے لئے فرعون کی زوجہ کی مثال بیان کی ہے کہ انہوں نے دعا کی: "اذ قالت رب ابن لی عندک بیتاًفی الجنة" (۳)اس نے دعا کی پروردگار میرے لئے جنت میں ایک گھربنادے۔ "ونجنی من فرعون وعمله" (۴)اورمجھے فرعون اوراس کے کاروبار سے نجات دلادے، میں نہیں چاہتی کہ اس کام میں رہوں۔

(۱) گذشتہ حوالہ آیت ۴۲.

(۲) تحریم (٦٦) آیت ۱۱.

(۳) گذشتہ حوالہ

(۴) گذشتہ حوالہ

"ونجنی من القوم الظالمین" (۱) اوراس پوری ظالم قوم سے نجات عطا کردے۔"

دلچسپ بات یہ ہے کہ خداوند عالم نے مومنین کے لئے فرعون کی زوجہ کی مثال بطور نمونہ بیان کی ہے۔ "وللذین آمنوا" یعنی تمام مومن مرد اور عورتیں، یعنی خدا یہ کہنا چاہتا ہے کہ دیکھ لو یہ ایک عورت ہے جو اس مقام پر پہنچی ہے اور یہ واقعاً بہت بڑی فضیلت ہے کہ قرآن نے ایک عورت کو مردوں کے لئے ایک اسوۂ عمل کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور اسی طرح دوسرا امتیاز اور مشترک فریضہ جو انسان کے لئے قرار دیا گیا ہے وہ علم حاصل کرنا ہے۔ خداوند عالم نے انسان کو اس طرح خلق کیا ہے کہ وہ مختلف علوم حاصل کرسکتا ہے چاہے وہ عقلی ہوں یا تجربی اور اس کا شرف ومنزلت اسی عمل کی وجہ سے ہے۔

انسان کی منزلت اس کے علم کی وجہ سے ہے اور عورت اور مرد کے درمیان اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح خداوند عالم نے مردوں کو علم حاصل کرنے کی صلاحیت دی ہے عورتیں بھی اسی صلاحیت کی حامل ہیں اور اس اعتبار سے ان دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اور خود یہ بات کہ دونوں کو ایک جیسی صلاحیت دی گئی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں اس سے صحیح طریقہ سے فائدہ اٹھائیں۔ خداوند عالم نے انسان کو جو چیز بھی دی ہے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہے اگر یہ طے ہوتا کہ عورتیں علم حاصل نہ کریں تو قطعاً خداوند عالم انہیں یہ صلاحیت نہ دیتا۔ لہٰذا ان کے لئے علم حاصل کرنا ضروری ہے اور دونوں اس لحاظ سے بالکل مشترک ہیں۔

اس کے علاوہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قرآن میں جہاں کہیں بھی علم کا تذکرہ ہے اور اس

---

(۱) گذشتہ حوالہ

میں مردوں کو کوئی خاص امتیاز نہیں دیا گیا ہے بلکہ جو امتیاز بھی بیان ہوا ہے اس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ روایات میں بھی علم حاصل کرنے کے بارے میں بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے مثلاً وہ مشہور روایت جو پیغمبرؐ اکرم سے مروی ہے "**طلب العلم فريضة على كل مسلم**" علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور جس طرح کہ ہم نے بیان کیا یہاں مسلم کے عنوان کے تحت مرد اور عورت دونوں مساوی ہیں۔ البتہ بعض روایات میں اس انداز سے بھی نقل ہوا ہے "فریضة علی کل مسلم ومسلمة" البتہ "مسلمة" نہ ہوتا تب بھی ہمارے مدعیٰ کے لئے کافی تھا "**الا ان الله يحب بغاة العلم**" یعنی جان لو خداوند عالم علم حاصل کرنے والے کو پسند کرتا ہے۔

یہاں پر ضروری ہے کہ ہم مختصر طور سے یہ ذکر کرتے چلیں، اگر عورت اور مرد دونوں علم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اسلام نے بھی یہ فریضہ ان دونوں کے کاندھوں پر عائد کیا ہے اور اگر قرآن نے عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا ہے تو وہ ایک اہم کام جس پر عورتوں کو توجہ دینا چاہیئے وہ یہی تعلیم حاصل کرنا اور اپنی تعلیم کو مکمل کرنا ہے۔ لہٰذا عورتیں اس بات کی کوشش کریں کہ وہ حق، جو خدا نے انہیں دیا ہے اسے ضرور حاصل کریں کیونکہ انسان اسی تعلیم کے ذریعہ ہی ایک اچھی ثقافت اور تمدن اور ترقی کی منزلوں تک پہنچتا ہے نیز علماء اور دانشمندوں نے ہی عالم انسانیت کو ترقی اور کمال میں اس مقام تک پہنچایا ہے اور اس کام کی ذمہ داری انسان کے کاندھوں پر ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ تقریباً سماج کا آدھا حصہ عورتوں پر مشتمل ہے انہیں چاہئے خود کفائی تک پہنچنے کے بارے میں کوشش کریں کیونکہ ہمارے سماج کا آدھا حصہ عورتیں ہیں لہٰذا فطری طور پر آدھی یونیورسٹیاں، اسکول، کالج عورتوں کے لئے مخصوص ہوں اور کتنا بہتر

ہے کہ اپنے سے متعلق کام وہ خود انجام دیں یعنی ڈرائیورنگ کرنا، تاکہ کام کرنے والی پرنسپل، مدرّس، اور معلم سب عورت ڈرائیوروں کے ساتھ آئیں جائیں نیز ضروری ہے کہ آدھے اسپتال اور آزمایشگاہیں نیز ان سے متعلق تمام مراکز کا تعلق بھی عورتوں سے ہو۔ کیونکہ جس طرح مردوں کو ضرورت ہوتی ہے عورتیں بھی اسی طرح محتاج ہیں اور بہت اچھی بات ہے کہ عورتیں اپنی ان ضرورتوں میں خود کفائی کی منزل تک پہنچ جائیں یعنی ٹیچر، ڈاکٹر، ماہرین ،نرس ،نگہبان، ڈرائیور اور عملہ کی تمام جگہوں کو عورتیں پورا کریں اور مردوں سے بے نیاز رہیں۔ ایران میں آدھے ڈاکٹر عورتیں ہونا چاہئیں، بلکہ آدھے سے بھی زیادہ کیونکہ عورتیں ہی زیادہ تر ڈاکٹر کے پاس جاتی ہیں اور عالی درجات کی ماہر ڈاکٹر حتی کہ مختلف امراض کے ماہرین نیز ام ڈی سطح کی ڈاکٹروں میں بھی آدھی ڈاکٹر عورتیں ہی ہونا چاہئیں۔ ایک مغربی ملک کے ماحول کے بارے میں ہمارے ایک طالب علم نے اس طرح بیان کیا ہے کہ اس کی بیوی کے یہاں ولادت ہونے والی تھی اور اس کی بیوی راضی نہیں تھی کہ اس کے یہاں ولادت کے کاموں کو مرد ڈاکٹر انجام دیں، جب اس نے اس بارے میں اسپتال کے انچارج سے بات کی تو اسے اس کام کے لئے عورتوں ہی کو بھیج دیا جن میں اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے لے کر دوسرے تمام کام کرنے والی سب عورتیں تھیں اور پھر تمام کاموں کو عورتوں نے ہی انجام دیا۔ یہ کتنی بہتر اور اچھی بات ہے کہ ایک عورت اپنے کو اس سے بلند سمجھے کہ مرد اس کا طبی معائنہ کرے یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ عورتوں کو خود اسے پورا کرنا چاہئے۔

عورتیں دینی مسائل، فقہ، احکام اور عقائد کو سیکھنے کی بھی محتاج ہیں۔ ہمارے آدھے دینی مراکز بھی عورتوں سے مخصوص ہونا چاہئیں، آدھے مقررین بھی عورتیں ہوں، وہی عورتوں کو تعلیم دیں اور ان کے لئے تقریر کریں۔ کیونکہ وہ ایک دوسرے کی زبان

اورضرورتوں کو دوسروں سے بہتر سمجھتی ہیں اوران کی باتیں ایک دوسرے پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں اور کتنا اچھا ہے کہ عورتیں یہ کہیں کہ ہم اپنے امور خود انجام دے سکتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ دینی کاموں میں بھی مستقل رہیں استاد، مجتہد اور تمام ماہر افراد ان علوم سے متعلق اپنے درمیان تربیت کر کے فراہم کریں گے، ہم خود تحقیق کریں گے، تقریر کریں گے، کتابیں لکھیں گے، اور تمام کام ہم خود انجام دیں گے، تو کیوں عورتیں ان کاموں کو انجام نہیں دے سکتی ہیں؟

یہاں تک کہ دینی مرجعیت اور فتوا دینے کے بارے میں بھی ہم کہہ سکتے ہیں جس طرح عورتیں اگر یہ تمام شرائط اور صلاحیت رکھتی ہوں تو ماہر ڈاکٹر یا بیماری شناس ہو سکتی ہے اسی طرح دینی مرجعیت میں بھی کارنامہ انجام دے سکتی ہے۔ البتہ مرجعیت کے لئے مختلف مسائل اور خاص شرائط ہیں اور اس کا معیار یہ ہے کہ مرجع اور فقیہ باتقویٰ، عادل اور دوسرے تمام خصوصیات کا حامل ہو، تا کہ مسائل کا اچھی طرح استنباط کر سکے۔ اب اگر ایک عورت اس مرحلہ پر پہنچ جائے کہ مسائل کا استنباط کر سکے تو اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ اس منزل تک نہ پہونچ پائے تو یہ فطری بات ہے کہ اسے ایک مرد فقیہ کی تقلید کرنا چاہے جو اس سے زیادہ فقیہ ہو۔ تعلیم حاصل کی ہوئی ٹیچروں کی تعداد زیادہ کیوں نہ ہو اور بعض اوقات ہمیں کیوں مجبور ہونا پڑے کہ لڑکیوں کے اسکول میں مرد استاد ان کو تعلیم دیں۔

مرد ڈاکٹر کی کمپاؤنڈر عورت کیوں ہو؟ بلکہ ضروری ہے کہ ڈاکٹر بھی عورت ہو اور اس کی کمپاؤنڈر بھی عورت ہی ہو اور انجکشن اور گلوکوس لگانے سے لے کر دوسرے تمام کام کو خود وہ انجام دیں یہ عورت کی شان کے خلاف ہے کہ وہ مرد ڈاکٹر کی کمپاؤنڈر بنے یا آپریشن کے

وقت اس کی مدد کرے۔ بلکہ عورت کا مرتبہ تو ایسا ہے کہ اسے اس سے بڑے کام انجام دینا چاہئے اور نہ صرف یہ کہ اتنے ہی پر قانع رہیں کہ مثلاً اسپتال میں نرس بن جائے اگر چہ یہ صحیح ہے کہ نرس ہونا ایک اچھا کام ہے اور عورت یہ کام اچھی طرح انجام دے سکتی ہے لیکن کیا نا ممکن ہے کہ عورت ماہر اور تجربہ کار ڈاکٹر بن سکے؟ بہت سی با صلاحیت عورتیں ایسی ہیں جنہیں اس کام کے لئے آگے بڑھنا چاہئے یہ کام انہیں شخصیت عطا کر دیتے ہیں۔ عورتوں کو سماج میں ایسے کام کرنا چاہئے کہ وہ مرد کے سامنے اپنی شخصیت کے بارے میں یہ ظاہر کر دیں کہ اگر وہ چاہیں تو اس کام کو انجام دے سکتی ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ بعض عورتیں مختلف علوم اور دیگر کاموں میں بہت بہتر اور حتی کہ بعض مردوں سے آگے ہیں کی مرد اپنی انانیت اور خود محوری کی وجہ سے کبھی کبھی عورتوں کو اس رتبہ تک نہیں پہنچنے دیتے میں نے سنا ہے کہ مرد ڈاکٹر آسانی سے ماہر عورتوں کو ان کی مہارت کی سند نہیں دیتے کہ کہیں عورتیں ان سے زیادہ اسپیشلسٹ اور ماہر نہ بن جائیں کیونکہ وہ یہ سوچتے ہیں کہ ان کے ماہر ہو جانے کی وجہ سے شاید انہیں ایک دن پیچھے نہ ہٹنا پڑے۔ جب کہ میرا یہ نظریہ ہے کہ ہم اپنی ضروریات کے مطابق لڑکوں کو اس کام کے لئے کم قبول کریں اور اس کے برعکس لڑکیوں کو زیادہ سے زیادہ قبول کریں تا کہ ہر سطح پر یعنی عام سطح اور ماہرین کی سطح میں دونوں کی تعداد یکساں رہے تب عورتیں یہ کہہ سکتی ہیں کہ ہم استقلال حاصل کرنے کے لئے گئے تھے اور اب مستقل ہو گئے ہیں۔

البتہ عورتوں کا استقلال یہ نہیں ہے کہ وہ ٹورنامنٹ میں شرکت کریں اگر چہ یہ اچھا کام ہے لیکن یہ عورتوں کے ساتھ ایک طرح کا کھلواڑ ہے، کہ اس کام کے لئے افراط کے ساتھ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے، کیونکہ عورت اس اعتبار سے مرد کی طرح ہے اور وہ خود

کھیل کود اور ورزش میں حصہ لے سکتی ہے یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ ہم، عورت کے اوپر یہ احسان جتائیں کہ ہم نے اسے کھیل کود کی اجازت دیدی ہے۔ لیکن اگر عورت بہترین مفکر ہوگی تو یہ اس کے لئے اچھی چیز ہے۔ مجھے ایسی عورتوں کے بارے میں تعجب ہوتا ہے کہ جو کبھی کبھی اپنے حق اور اپنی واقعی منزلت سے چشم پوشی کر لیتی ہیں اور ان چیزوں کو حاصل کرنے جاتی ہیں۔ ان کو چاہئے کہیں کہ ہمیں اجازت دیں کہ کام کر سکیں لیکن کیا کام کریں ؟ یا فقط پست کام کریں؟ اور مرد ڈاکٹروں کی کمپاؤنڈری کرتی رہیں؟ جب کہ عورت کا مقام فقط یہ نہیں ہے، دینی تعلیم کے بارے میں بھی حقیقت یہی ہے واقعاً میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر وہ اس کام کو اچھی طرح انجام دیں۔ اگر صحیح نصاب تعلیم اور نظام تیار کریں تو دینی تعلیم حاصل کرنے والوں میں آدھی عورتیں ہونی چاہئیں۔ البتہ وہ دروس جو ان کے لئے مناسب ہیں ان کو پڑھیں اور اسی میں مستقل ہو سکیں اور اپنے متعلقہ شعبوں میں حسب ضرورت مہارت حاصل کر لیں، البتہ یہ مسئلہ بھی غور طلب ہے کہ کیا عورتیں تمام علوم کو حاصل کر سکتی ہیں لیکن کیا واقعاً یہ ان کے حق میں اور معاشرہ کے دوسرے لوگوں کے حق میں بھی مفید ہے کہ عورتیں تمام علوم کو حاصل کر سکیں یا بعض علوم اولویت اور تناسب رکھتے ہیں ؟ بہر حال ہمیں ان کے نسوانی پہلو کے بارے میں پہلے توجہ دینا چاہئے اور عورتوں اور ان کے گھر کے حالات حتی کہ ان کی سماجی ذمہ داریوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

سوال: عورتوں کے لئے کام کرنے کا مسئلہ اٹھتا ہے تو آپ ان سے ڈاکٹری کے بارے میں کیوں زیادہ تاکید کرتے ہیں؟

جواب: میں ڈاکٹری اور اس سے متعلق کاموں کے بارے میں عورتوں سے اس لئے

تاکید کرتا ہوں کیونکہ ایک تو ڈاکٹری سب کے لئے ایک مستقل ضرورت ہے اور بیماریوں کی شناخت کے لئے عام طور سے مریض کے معائنہ کی ضرورت پڑتی ہے اور حتی کہ بیمار کو بھی چھونا پڑتا ہے۔ اسلام نے نامحرم کے بدن کو دیکھنا یا چھونا مرد اور عورت دونوں کے لئے حرام قرار دیا ہے کیونکہ اس میں بے راہ روی کا خطرہ رہتا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اس انحراف کو روکنے کے لئے اسباب اور وسائل مہیہ کریں تا کہ احکام الٰہی اور دین کی مصلحتیں آسانی کے ساتھ جامۂ عمل پہن سکیں۔

کچھ دن پہلے میرے پاس ایک میڈیکل کا طالب علم آیا اور وہ بہت افسوس کر کے کہنے لگا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنا سبجیکٹ تبدیل کردوں۔ میں نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا کیونکہ اگر پڑھنے کے بعد میں یہ چاہوں گا کہ عورتوں کا علاج نہ کروں گا تو میرے لئے مشکل پیدا ہو جائے گی اور اگر علاج کروں گا تو ان کا معائنہ کرنے کی ضرورت پڑے گی جس سے حرام میں پڑنے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا یہ بہتر ہے کہ میں ابھی سے اپنی لائن تبدیل کردوں اور اس مشکل سے نجات حاصل کرلوں۔ خود عورتوں کے سامنے بھی یہی مشکل ہے کیونکہ جو دیندار ہیں اور وہ یہ چاہتی ہیں کہ اسلامی حدود کی پابندی کریں تو وہ سخت ضرورت کے علاوہ مرد ڈاکٹر کے پاس نہیں جائیں گی اور شہر میں عورت ڈاکٹر موجود ہو اور وہ معائنہ کرسکتی ہو تو پھر عورتیں شرعی اعتبار سے مرد ڈاکٹر کے پاس نہیں جاسکتی ہیں اور مرد ڈاکٹر بھی ایسے حالات میں یہ حق نہیں رکھتا کہ عورتوں کا معائنہ کرے۔ میں نے اس مسئلہ کی طرف متوجہ کرنے کے بعد یہ احساس کیا کہ اس میدان میں ضرورت بہت زیادہ ہے لہٰذا عورتیں اس میدان میں زیادہ محنت کریں تا کہ مستقل ہو جائیں۔

اسلامی قوانین نے ایسے حالات فراہم کئے ہیں کہ انسان اور سماج بلند مقاصد تک

پہنچنے کی راہ میں سست رفتاری، پستی اور انحراف سے بچ سکیں اور ان کی ترقی اور بلندی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو۔ بہر حال عورت اور مرد کی فطرت ایسی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے لئے پر کشش ہوتے ہیں، لہٰذا ایک دوسرے کو چھونے سے یا غلط انداز معاشرت سے ان کے اندر جنسی رغبت اور میلان پیدا ہو جاتا ہے یا کم از کم یہ ممکن ہے کہ وہ بے راہ روی اور انحراف کی طرف چلے جائیں جو بہت بری بات ہے اور اگر بالفرض وہ یہ کام نہ کریں یا متدین ہوں اور گناہ نہ کریں پھر بھی ان کے لئے نفسانی اور روحی اضطراب ضرور پیدا ہوگا، اس کے علاوہ منفی اثرات بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ممکن ہے کہ انسان اپنی بیوی سے جس قدر محبت کرتا تھا وہ کم یا بالکل ختم ہو جائے اور ان کی گھریلو زندگی سخت ہو جائے۔ اس وجہ سے اسلام نے اس مسئلہ کے لئے بہت زیادہ تاکید کی ہے۔

ان میدانوں میں عورتوں کی خود کفائی کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ اپنے دائرہ کار میں آزادی کے ساتھ اپنی لیاقت اور شخصیت کو تمام مرحلوں میں ثابت کر سکیں گی اور اس کے علاوہ عورتوں کو بھی ان مراکز میں رفت وآمد کی سہولت ہوتی ہے جو ان سے مخصوص ہیں اور وہ وہاں زیادہ سے زیادہ روحی سکون حاصل کر سکیں گی کیونکہ وہ اس جگہ کو اپنا سمجھتی ہیں اور اس پر فخر کرتی ہیں اور وہاں اطمینان اور سکون محسوس کرتی ہیں مثلاً ایک بیمار عورت جو اسپتال کے بستر پر لیٹی ہوئی ہے وہ سکون اور اطمینان کا احساس کرتی ہے اور اسے اس بات کا خطرہ نہیں رہتا ہے کہ ابھی کوئی مرد کمپاؤنڈر یا ڈاکٹر اسے دیکھنے آجائے گا اور خود گھر کے مرد بھی اپنی عورتوں اور لڑکیوں کی وہاں موجودگی کی وجہ سے پریشان نہیں ہوں گے اور یہ ہر سماج کے لئے بہتر اور حسین بات ہے۔ اگر یہ کام ہو جائے تو ہم دوسرے ملکوں کے لئے نمونہ پیش کر سکتے ہیں اور عورتوں کی صلاحیتوں کو ثابت کر سکتے ہیں۔

سوال: بعض اداروں میں عورتوں اور مردوں کو جو ایک دوسرے سے جدا کر دیا گیا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اور کیا ان کی جدائی سے ان کے درمیان حساسیت میں زیادتی نہیں ہوگی ؟ بعض لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں عورت اور مرد جتنے ایک دوسرے کے بارے میں حساس ہیں مغربی تہذیب وتمدن میں ایسا نہیں ہے اور اس کی وجہ وہ پابندیاں ہیں جن پر شریعت نے عمل کرنے کے لئے کہا ہے۔ کیا مشرقی اور اسلامی ممالک میں آپ عورت اور مرد کے درمیان کشش اور جاذبیت کی زیادتی کو تسلیم کرتے ہیں اور کیا آپ کی نظر میں ان کا سبب مذکورہ اسباب ہی ہیں؟

جواب: عورت اور مرد ایک دوسرے کے لئے پر کشش ہوتے ہیں اور اگر یہ جاذبیت اور کشش کنٹرول نہ ہو تو معمولاً اس سے ناجائز تعلقات اور اخلاقی اور سماجی برائیاں پیدا ہوتی ہیں، لیکن مغربی ممالک میں ان تعلقات پر چونکہ کوئی پابندی نہیں ہے تو وہ اس برائی کو اصلاً برائی تصور نہیں کرتے ہیں اور بے راہ روی کے جو اخلاقی اور معنوی برے آثار ونتائج ہوتے ہیں وہ ان کے عادی ہو چکے ہیں اور ان کے لئے یہ ایک عادی چیز ہوگئی ہے۔ کیونکہ اگر کبھی انسان صحت اور تندرستی کو نہ دیکھے تو بیماری اور ورم کا عادی ہو جاتا ہے۔

اور دوسری حقیقت جس کی طرف ہم یہاں اشارہ کر سکتے ہیں وہ آب وہوا اور جغرافیائی یا ملکی اثر ہے کیونکہ گرم اور خشک فضاء کے مقابلہ میں مرطوب فضاء میں جنسی تحریک کم ہوتی ہے نیز یہ کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ رکھنا یہ جانبداری نہیں ہے بلکہ استقلال ہے اور استقلال جانبداری نہیں ہے بلکہ پہلے جانبداری تھی اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسے روک دیں تا کہ عورتیں اگر مستقل ہو جائیں تو ان کے لئے فائدہ مند ہے اور وہ اپنی لیاقت

اورشائستگی کو ثابت کرسکتی ہیں اورآزادی کے ساتھ ترقی کرسکتی ہیں اس کے علاوہ میری مراد یہ نہیں ہے کہ عورتیں اصلاً مردوں کے اسپتالوں میں نہ جائیں اس کے برعکس اس میں کیا عیب ہے کہ اگر عورتیں مستقل ہو جائیں اوران کے لئے اپنے اسپتال اورمیڈکل کالج مخصوص ہوں۔لیکن اگر کوئی عورت یہ چاہتی ہوکہ کسی مرد ڈاکٹر کو دکھائے اوراس کی بیماری ایسی ہوجس کے لئے معائنہ کی ضرورت نہ ہواور چھونے کی ضرورت بھی نہ پڑے تو کیا حرج ہے کہ وہ اس کے پاس چلی جائے؟ کوئی حرج نہیں ہے میں نے ان دونوں کوایک دوسرے سے اس طرح جدا کرنے کونہیں کہا ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دشمن ہوجائیں بلکہ میرا مقصد ایک دوسرے کودیکھنے اور چھونے سے پرہیز کرنا ہے جوشرعی اعتبار سے ممنوع ہے۔

سوال: اگرعورتیں دوسرے علوم حاصل کریں تواس کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟

جواب: عورتیں ہر تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اوروہ جوتعلیم چاہیں حاصل کرسکتی ہیں ان کے لئے کوئی حرمت اورممانعت نہیں ہے اوراس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عورتیں جن علوم کو پسند کرتی ہیں انہیں پڑھ سکتی ہیں لیکن اس بات کو مدنظر رکھیں کہ آج کل تعلیم عام طور پر سروس کرنے کے لئے حاصل کی جاتی ہے، لہٰذا عورتوں کے لئے بعض علوم حاصل کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اگر اس کے بعد وہ سروس کرنا چاہیں گی تو انہیں مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا، بہت سے شعبے ایسے ہیں جن میں کام کرنا عورتوں کے لئے مناسب نہیں ہے مثلاً سنگین کام کرنا، کانوں میں کام کرنا، کشتی چلانا اوراس جیسے دوسرے کام، کیونکہ یہ دھیان رہے کہ عورتوں کی خوبصورتی، ان کی ظرافت اورلطافت بہت قیمتی چیز ہے اوروہ اپنی خوبصورتی کی جتنی حفاظت کریں گی اپنی زندگی میں اتنی ہی کامیاب رہیں گی

،اگر عورت اپنے شوہر کے دل میں جگہ پیدا کرنا چاہتی ہے تو اپنی خوبصورتی کی حفاظت کرے اب چاہے اس کے اندر جو بھی فن ہو یا اس کی جو آمدنی ہو لیکن اس کی خوبصورتی اور شادابی گھریلو زندگی میں بہت اہم حصہ رکھتی ہے۔اسی لئے اسلام نے یہ تاکید کی ہے کہ عورتیں زینت کریں اچھے کپڑے پہنیں اور اپنے حُسن کی حفاظت کریں بلکہ ہمیں روایات میں ملتا ہے ''المرأۃ ریحانۃ ولیست بقھرمانۃ'' عورت ایک پھول ہے اور وہ پہلوان نہیں ہے۔ نیز روایات میں یہ بھی ہے کہ جو کام عورت کی طاقت سے باہر ہے اسے اس کے اوپر نہ ڈالو۔

اسی بنا پر عورتوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے حُسن وخوبصورتی کی حفاظت کے لئے نہایت کوشش کریں اور اگر کوئی سروس یا کام کریں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس بات کی کوشش کریں کہ ایسی سروس کریں کہ ان کا حُسن ماند نہ پڑنے پائے جیسے اگر کوئی عورت انجینئر ہو اور اس کی ڈیوٹی دور دراز جنگلوں میں لگا دی جائے تو اسے سورج کی گرمی برداشت کرنا پڑے گی پسینہ بہانا پڑے گا یا اگر تیل کے کنویں میں جائے وغیرہ وغیرہ اور ان تمام زحمت طلب کاموں کے بعد اس کی خوبصورتی باقی نہیں رہے گی۔اگر چہ اس کی کمائی اچھی ہو جائے لیکن اس کے اندر اپنے شوہر کے لئے کوئی جاذبیت اور کشش باقی نہ رہ سکے گی لہٰذا میں عورتوں کے لئے ان کاموں میں سروس کرنے کو بہتر جانتا ہوں جو عورت اور اس کے گھر والوں کے حق میں مفید ہوں ۔

میری نظر میں گھر کے ماحول کی حفاظت ایک اصلی کام اور سماج کی اہم ضرورت ہے۔ گھر کا ماحول بچوں کی تربیت کرنے کے لئے ان کے ماں باپ کے لئے بہترین جگہ ہے۔ صاحب اولاد ہونا ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کی ضرورت مرد بھی محسوس کرتا ہے اور عورت بھی ،لہٰذا وہ علوم جنہیں عورتیں حاصل کرنا چاہتی ہیں اس سلسلہ میں ان کے لئے ضروری

ہے کہ یہ دیکھ کر علم حاصل کریں کہ تعلیم کے بعد جو کام اسے اپنے لئے منتخب کرنا پڑے اس سے اس کے گھر کا ماحول اچھا رہے گا یا نہیں؟ ایسا کام نہ ہو جو اس کے گھر کو اجاڑ دے اور وہ بچوں کی تربیت میں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

یہ حقیقت قابل انکار نہیں ہے کہ بچوں کو ماں کی جتنی ضرورت ہوتی ہے اتنی باپ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ باپ گھر اور زندگی کے مخارج کو فراہم کرتا ہے لیکن ماں کی مامتا اس کا صبر وحوصلہ نیز اس کا انداز تربیت بچہ پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ عیب نہیں ہے بلکہ یہ ایک کمال ہے جو عورتوں میں پایا جاتا ہے اور یہ کمال فطری اور عاطفی ہے اور یہی ایک ایسی طاقت ہے جو گھر کے بچوں کی حفاظت کر سکتی ہے۔ ایک مشہور مثل ہے کہ ایک ماں مٹی ہو کر بھی بچہ کی ایسی تربیت کر سکتی ہے جو باپ ناز ونعم میں بھی نہیں کر سکتا ہے ۔عورتیں ایسے کام کو انتخاب کریں کہ اپنے بچوں کی تربیت کر سکیں اگر ایسا کام ہو کہ مثلاً چھ مہینہ کشتی پر رہے یا بالفرض دن بھر سفر میں رہیں تو طبیعتاً اس سے بچوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پس انہیں چاہئے ایسا کام انتخاب کریں کہ جس سے ان کی خوبصورتی، گھر کے استحکام اور بچوں کی تربیت کے لئے کوئی ضرر نہ ہو۔

مختصر یہ کہ میرے خیال میں بہت سے ایسے کام ہیں جو عورتوں کے لئے مناسب اور مفید ہیں جیسے تعلیمی اور تربیتی کام کرنا کہ معمولاً عورتیں مردوں سے بہتر اس کام کو انجام دے سکتی ہے مثلاً اسکول کی پرنسپل یا معلم ہونا، علم نفسیات، زیست شناس، ریاضی کمپیوٹر یا ایسے دوسرے کام کرنا کہ جو عورتوں کی جسمانی ساخت سے مناسبت رکھتے ہیں اور مشکل ساز بھی نہیں ہے ۔

البتہ یہ بھی بیان کرتے چلیں کہ بعض وقت اگر عورت کام نہ کرے تو گھر کے اخراجات

پورے نہیں ہو سکتے جیسے: قبائلی علاقوں میں یا دیہاتوں میں کھیتی باڑی میں، چوپائے پالنے میں عورتیں مردوں کے برابر کام کرتی ہیں اور کبھی کبھی عورتوں کو مردوں سے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے اس کے علاوہ بعض عورتیں گھر کے اندر بھی ایسے کام کرتی ہیں جن سے وہ اپنی ضرورت بھر آمدنی کر لیتی ہیں۔

عورتیں اس طرح کے دوسرے کاموں میں مردوں کی مدد کرتی ہیں البتہ مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ بہتر بھی ہے اور ہمیں اسے عورتوں کی ایک خوبی سمجھنا چاہئے لیکن میں مردوں کو تاکید کروں گا کہ اگر ضرورت نہ ہو تو عورتوں سے ایسے کام نہ لیں جو ان کی شادابی اور بچوں کی تربیت پر مضر اثرات ڈالیں۔ کیونکہ اسلام کی نگاہ میں عورت پھول کے مانند ہے اور اس کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہئے۔ میں مردوں سے تاکید کرتا ہوں کہ ان کے لئے یہ فائدہ مند ہے کہ عورتوں سے یہ تقاضہ نہ کریں کہ وہ سنگین کاموں کو انجام دیں لیکن اگر وہ خود کوئی کام کرنا چاہیں تو کام کریں اور شرعی حدود نیز پردہ کا خیال رکھیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

مناسب تو یہ ہے کہ حکومت اور حکومت سے مربوط تمام مراکز ایسی ثقافتی تحریک چلائیں جن کے اثرات کی وجہ سے عورتوں کو سخت کام انجام نہ دینا پڑے کیونکہ بعض جگہوں پر مثلاً ایران کے شمالی علاقوں میں مرد بعض وقت بے کار رہتے ہیں اور کھیتی باڑی، جیسے سخت کاموں کو عورتیں انجام دیتی ہیں اور جب وہ گھر میں آتی ہیں تب بھی وہی گھر کا کام بھی کرتی ہیں اور مرد بیٹھے رہتے ہیں۔ حق تو یہی ہے کہ عورتیں بہت سختیاں برداشت کرتی ہیں جب کہ ہونا تو یہ چاہئے کہ عورتوں پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے اور مردوں کو اس پر توجہ رکھنا چاہئے اور عورت کا خیال رکھنا چاہئے۔

سوال: کیا دین میں عورتوں کی تعلیم کے بارے میں کوئی نہی اور مذمت آئی ہے یا نہیں؟

جواب: اصولاً تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت ہر انسان کے اندر موجود ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت اور در حقیقت اس استعداد کا ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے لئے علم حاصل کرنا جائز ہے۔ اسی بنا پر علم حاصل کرنا عورتوں کا فطری اور انسانی حق ہے۔ اس کے علاوہ اسلام نے بھی اس حق کی تائید کی ہے اور ایسی آیات وروایات بہت زیادہ ہیں جو تعلیم حاصل کرنے کی تاکید کرتی ہیں اور اس اعتبار سے مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے اس جگہ، میں چند آیتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہوں:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لايَعْلَمُونَ

کہہ دیجئے کہ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں ان کے برابر ہو جائیں گے جو نہیں جانتے ہیں۔ (۱)

اس کے جواب کو انسان کی فطرت پر چھوڑ دیا ہے یعنی یہ ایک مُسلَّم اور شک سے خالی مسئلہ ہے کہ عالم اور غیر عالم برابر نہیں ہیں۔ یہاں پتہ چلتا ہے کہ عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح عالم مرد کا جاہل مرد سے مقابلہ نہیں ہو سکتا یہی عورتوں کا حال بھی ہے یا مثلاً:

يَرْفَعْ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَات (۲)

خدا صاحبان ایمان اور جن کو علم دیا گیا ہے ان کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے۔

اس آیت میں بھی خداوند عالم نے مومنین چاہے مرد ہوں یا عورتیں ان سب کو عالی

---

(۱) زمر (۳۹) آیت ۹.

(۱) مجادلہ (۵۸) آیت ۱۱.

درجات کا حقدار بتایا ہے اور علماء ان سے بھی بالاتر ہیں۔ اس میں بھی عورت اور مرد میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے بہت سی آیتوں میں لوگوں کو غور وفکر، تفقہ اور اس طرح کی چیزوں کا حکم دیا ہے مثلاً:

فَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ

کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ ان کے پاس ایسے دل ہوتے جو سمجھ سکتے ہیں۔ (۱)

یہاں بھی حکم دیا ہے کہ سیر کرو تا کہ ایسے دل حاصل کرلو جن کے ذریعہ تعقل کرسکو اور سمجھ سکو یا مثلاً:

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَايَعْقِلُون . (۲)

اور ان لوگوں پر خباثت کو لازم قرار دے دیا ہے جو عقل استعمال نہیں کرتے ہیں۔

یہ تمام آیتیں علم ودانش پر دلالت کرتی ہیں کہ جو انسان کے لئے بہت بڑا امتیاز ہے اور مرد اور عورت اس اعتبار سے برابر ہیں۔

دوسری جگہ خداوند عالم فرماتا ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعا. (۳)

اور اسی نے تمہارے لئے زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو مسخر کردیا ہے۔

یہاں تمام مخلوقات انسان کے لئے مسخر ہیں اور انسانوں کو چاہئے کہ ان کی تسخیر کریں۔

---

(۱) حج (۲۲) آیت ۴۶.

(۲) یونس (۱۰) آیت ۱۰۰.

(۳) جاثیہ (۴۵) آیت ۱۳.

یہاں بھی عورت اور مرد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

میں آیات کے اس مجموعہ سے اس طرح سمجھتا ہوں کہ اسلام علم حاصل کرنے کو انسانوں کے لئے ایک بہت بڑی خوبی جانتا ہے، کیونکہ وہ انسان ہیں اسی لئے اس کی بہت زیادہ تاکید کرتا ہے تاکہ کوئی جاہل نہ رہے اور ہر ایک علم حاصل کرے۔ اس سلسلہ میں بہت سی روایات بھی بیان ہوئی ہیں اس کے باوجود کہ علم حاصل کرنا ایک فطری اور انسانی حق ہے۔ اسلام نے اس حق کو قبول کیا ہے اور اس کے برخلاف نظریات کی مخالفت کی ہے۔ ہم اس سے یہی سمجھتے ہیں کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورتیں تعلیم حاصل کریں اس کے مقابلہ میں ان چند روایات کو پکڑ لینا کہ جن کی سند ضعیف ہے اور ان کی دلالت بھی قوی نہیں ہے یہ بالکل غلط ہے، میرے نظریہ کے مطابق ان روایات کو ان محکم اور قوی دلیلوں کے مقابلہ میں کسی طرح پیش نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ایسی کل چھ یا سات روایات ہیں جن میں عورتوں کو تعلیم سے نہیں روکا گیا ہے بلکہ لکھنے سے روکا گیا ہے اور وہ بھی اس معنی میں کہ انہیں لکھنا نہ سکھاؤ مگر تعلیم دینے کے بارے میں کسی بھی طرح سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ لہٰذا عورتیں علم حاصل کرسکتی ہیں لیکن کتابت کے بارے میں ہمیں جو چند روایت ملتی ہیں پہلے تو یہ ان میں سے اکثر ضعیف ہیں یا مرفوع یا مرسل ہیں اور ان کی دلالت قوی نہیں ہے مثلاً ان میں سے روشن ترین حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

ولا تنزلوا النساء الغرف ولا تعلموهن الكتابة وعلموهن المغزل وسورة النور.

عورتوں کو پہلی منزل پر اور بلند جگہ پر نہ بٹھاؤ، انہیں کتابت اور لکھنا نہ سیکھاؤ بلکہ بنائی

(سلائی) اور سورہ نور کی تعلیم دو۔(۱)

میں نے اس حدیث کے بارے میں تحقیق کی ہے اگر چہ یہ بقیہ حدیثوں سے گویا تر ہے مگر اس کی سند ضعیف ہے اس کے علاوہ اس میں کہا گیا ہے کہ عورت کو گھر کی پہلی منزل (بالائی منزلوں) پر سکونت نہ دو یہ اصلاً عملی نہیں ہے۔ اور آج تک کسی نے بھی کیا یہ فتوا دیا ہے کہ عورتوں کا پہلی منزل پر جانا صحیح نہیں ہے؟ اس کے بعد کتابت کا ذکر ہے کہ اگر یہ کام حرام ہوتا تو پہلا والا حکم بھی حرام ہوتا یعنی پہلی منزل پر رہنا اور لکھنا دونوں ہی حرام ہوتے اور اگر اس کی کوئی اہمیت ہوتی تو صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مکروہ کی حد میں ہے ورنہ ہم اسے مکروہ بھی نہیں کہہ سکتے ہیں۔ جس طرح بعد کی روایات میں صیغہ امر آیا ہے کیا بنائی (سلائی) اور سورۂ نور کی تعلیم کو کسی نے واجب قرار دیا ہے کہ ہم پہلے حصہ کو حرام قرار دے سکیں۔

بہر حال اس طرح کی ضعیف روایات کے ذریعہ ہم محکم اور قوی دلیلوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے، خاص طور سے آج کل کے زمانے میں کتابت اور لکھنا تعلیم کے لئے ایک ابتدائی ضرورت کی حیثیت رکھتی ہے۔

میرے نظریہ کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور کچھ لوگوں نے بلا وجہ ان روایات کے ظاہری مفہوم پر عمل کر کے اس بات کی کوشش کی ہے کہ عورتوں کے لئے تعلیم کا راستہ بند کر دیں۔ جب کہ پیغمبرؐ کے زمانے سے لیکر آج تک عورتوں کی تعلیمی زندگی اس کے برخلاف نظر آتی ہے پیغمبرؐ کے زمانہ میں بہت سی عورتیں دانشمند تھیں اور باقاعدہ تعلیم حاصل کرتی تھیں مثلاً حضرت زہراؑ یا حضرت عائشہ اور حفصہ پیغمبرؐ کی بیویاں تعلیم حاصل

(۱) اصول کافی ج ۵ ص ۵۱۶.

کرتی تھیں۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حفصہ پڑھنے کے علاوہ لکھنا بھی جانتی تھیں حدیث بھی نقل کرتی تھیں جس طرح بہت سی عورتیں راویانِ حدیث تھیں۔ لہٰذا یہ حدیث تعلیم سے نہیں روک سکتی اس وجہ سے میرا خیال یہ ہے کہ اب یہ ضروری نہیں ہے ہم اس قسم کی ایک ایک حدیث کا باریک بینی سے مطالعہ کریں اور اس کے فائدے، معنی، اور سند کے بارے میں تحقیق کریں۔

سوال: وہ روایات جو عورتوں کے ناقص العقل اور ضعیف الایمان ہونے کے بارے میں منقول ہیں ان کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟

جواب: اگر چہ حدیثوں کی کتابوں میں بیان ہوا ہے کہ عورتیں عقلی اعتبار سے ضعیف ہیں، مگر پہلے تو یہ کہ ان حدیثوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے بلکہ شاید دس یا اس سے بھی کم ہو، دوسرے یہ کہ سب دلالت اور سند کے لحاظ سے قابل قبول نہیں ہیں۔ کیونکہ جو حدیث بھی کتاب حدیث میں آئی ہے وہ ہمارے لئے حجت نہیں ہے، بلکہ علم رجال اور درایت کی بنا پر حدیثوں کو مختلف قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے مثلاً صحیح حدیث، کہ اس کے راوی امام تک سب عادل ہوں، حدیث موثق وہ ہے جس کے راوی اگر چہ عادل نہ ہوں لیکن موثق ہوں، حدیث ضعیف وہ ہے جس کا کوئی ایک راوی عادل اور موثق نہ ہو اور کبھی کبھی حدیث کو اصطلاح میں مرفوع بھی کہتے ہیں یعنی امام کی طرف اس کی نسبت دی جائے لیکن واسطہ (راوی) معلوم نہ ہو بلکہ حذف ہو گیا ہو کبھی کبھی ممکن ہے کہ ایک حدیث کی بالکل کوئی معتبر سند نہ ہو یعنی اس کے راوی سب مجہول ہوں۔ مختصر یہ کہ ہر اعتبار سے ان حدیثوں میں صرف وہ حدیث معتبر ہے جو صحیح ہو، البتہ بعض علماء موثق حدیثوں کو بھی معتبر جانتے ہیں

لیکن ان کے علاوہ باقی روایات حجت نہیں ہیں اب ایک مسئلہ یہ ہے کہ ہم ان دس، بارہ حدیثوں کے بارے میں تحقیق کریں اور دیکھیں کہ ان کے درمیان صحیح حدیث موجود ہے یا نہیں تا کہ اس کو معتبر سمجھیں۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ کبھی کبھی ایک حدیث کے بارے میں ہمیں یقین ہے کہ پیغمبرؐ یا امامؑ سے نقل ہوئی ہے مثلاً یہ کہ یا ہم خود گواہ ہیں یا ایسا قطعی قرینہ ہے کہ یہ حدیث حتماً امامؑ سے نقل ہوئی ہے تو اس میں شک نہیں ہے کہ اس طرح کی حدیثیں معتبر اور حجت ہیں لیکن کبھی کبھی حدیث قطعی الصدور نہیں ہے۔

انہیں پھر تقسیم کیا گیا ہے حدیث متواتر، یعنی وہ حدیث کہ جسے پیغمبرؐ یا امام سے نقل کرنے والے راویوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو کہ اس کا جھوٹا اور جعلی ہونا محال ہو مثلاً ایک بات کو بعینہ سو یا پچاس راویوں نے پیغمبرؐ سے نقل کیا ہے ایک حدیث کے جب اتنے راوی ہوں تو ہر ایک کہہ سکتا ہے کہ اس کے جھوٹے ہونے کا احتمال کم ہے۔ خاص طور سے جب وہ سب راوی مختلف شہروں اور مختلف مشغلوں والے ہوں تو کم لوگ اس بات کا احتمال دیں گے کہ انہوں نے ایک ساتھ بیٹھ کر اس حدیث کو گڑھا ہے ایسی حدیث کو حدیث متواتر کہتے ہیں اور کیونکہ اس سے یقین پیدا ہو جاتا ہے لہٰذا وہ حجت ہے۔

کبھی کبھی ایک حدیث کے الفاظ متواتر نہیں ہوتے ہیں مگر ایک ہی معنی کو تمام راویوں نے مختلف شکلوں میں پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے یہ بھی اگر اتنی زیادہ تعداد میں منقول ہو کہ اس کے جعلی یا جھوٹے ہونے کا احتمال نہ رہ جائے تو اسے بھی متواتر کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ بعض احادیث ہیں جنہیں خبر واحد کہتے ہیں، ضروری نہیں ہے کہ ایک مضمون کی ایک ہی حدیث ہو چند بھی ہوں اور ان کے بارے میں ہمیں یقین نہ ہو سکے تو وہ خبر واحد کہی

جاتی ہیں۔ البتہ توجہ رہے کہ ہماری زیادہ تر حدیثیں خبر واحد ہیں۔

دوسرا راستہ حدیث کو پہچاننے کا یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ حدیث مضمون کے اعتبار سے کیسی ہے مثلاً اس کی عبارت سے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں، آیۃ اللہ بروجردی طاب ثراہ فرماتے تھے: کبھی انسان ایسی حدیث کو دیکھتا ہے جس کے متن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اسے معصوم نے بیان کیا ہے اور کبھی ایسی عبارت کو دیکھتا ہے کہ جس کی سند بھی درست اور معتبر ہوتی ہے مگر اس کے باوجود یہ احساس ہو جاتا ہے کہ یہ بات امامؑ یا پیغمبرؐ کی شان کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ وہ فصیح ترین افراد تھے۔ دعاؤں میں بھی یہی صورت ہے مثلاً دعائے کمیل یا ابوحمزہ یا مناجات خمسہ عشر وغیرہ امام کے علاوہ کون اس طرح کے مضامین کو بیان کرسکتا ہے۔

آپ فرماتے تھے: حدیثوں کو پہچاننے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے البتہ اگر کوئی حدیث کے بارے میں کافی مہارت رکھتا ہو، اس میں بالکل ماہر ہو اور حدیث شناسی کے ذوق نیز اس علم کی بنا پر جو وہ دین کے بارے میں رکھتا ہے اسے بآسانی سمجھ سکتا ہے نہ یہ کہ اپنے سلیقہ اور ذوق کے معیار پر اسے پرکھے۔ بہرحال اکثر علماء نے (خبر واحد) کو حجت اور معتبر جانا ہے البتہ جو صحیح ہو، نہ یہ کہ ضعیف اور مجہول ہو یا اس میں اس طرح کی دوسری کمیاں موجود ہوں۔

دوسرا اہم نکتہ جس کی طرف ہماری توجہ ہونا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہم ہر صحیح خبر کو بھی حجت نہیں سمجھ سکتے بلکہ صرف وہ خبر حجت ہے جو مکلّف کے لئے حکم اور فریضہ بیان کرے، جس میں امر و نہی ہو یعنی ایک کام کو واجب مستحب، حرام یا مکروہ بتایا گیا ہو۔ خلاصۃً انسان کے لئے کوئی وظیفہ معین کیا گیا ہو کیوں کہ ایسے فرائض یقیناً موجود ہیں جو پیغمبرؐ یا ائمہ طاہرین

نے ہمارے لئے بیان کئے ہیں اور ہم تک پہنچے ہیں۔ جب یقین اور قطع تک پہنچنے کے لئے کوئی راہ نہ بچے تو روایات سے ظن پیدا ہوتا ہے وہی کافی ہے اور تکلیف شرعی کو ہمارے لئے معین کرنے کے اعتبار سے حجت ہے۔ لیکن اگر کوئی حدیث عقائد کے بارے میں ہو اور قطعی الصدور نہ ہو تو ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ حجت اور معتبر ہے مگر وہ شخص جو کہ قطع پیدا کرے کیونکہ عقائد میں ضروری ہے کہ ہمیں قطع و یقین ہو جائے اور یہ حدیث اگر چہ درست ہے مگر قطع آور نہیں ہے یا مثلاً: کوئی حدیث کسی حقیقت کی خبر دے مثلاً فرض کریں یہ کہ بطور مثال حدیث میں آیا ہو کہ امام نے کہا ہے فلاں پھل کھاؤ اس کا تمہارے بدن پر اچھا اثر ہوگا، اس طرح کی باتیں اگر چہ صحیح بھی ہوں لیکن یقین آور اور شرعی نہیں ہیں۔ بلکہ ایک قسم کی روایت ہے جو کسی چیز کے بارے میں بیان ہوئی ہے۔

اسی بنا پر ہمارے یہاں ایسی حدیثیں بھی ہیں جو اس طرح کی ہیں، ان میں سے ایک یہی حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ عورتیں ناقص العقل یا ناقص الایمان ہیں۔ یہ ایسی حدیث نہیں ہے کہ جس سے لوگوں پر کوئی فریضہ یا ذمہ داری آجائے کہ ہم کہیں یہ حجت ہیں یا خبر قطعی الصدور یا متواتر نہیں ہیں، مستحکم قرینہ بھی نہیں رکھتی ہیں تکلیف بھی نہیں ہے اسی بنا پر ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ حجت ہیں اور ان پر عمل کرنا واجب ہے، ہاں یہ صحیح ہے کہ ہم مطلقاً ان کی نہی نہیں کر سکتے لیکن یہ قطعی حدیث بھی نہیں ہے کہ ہم اس کی نسبت شارع کی طرف دے سکیں جو حدیثیں ہمیں عورتوں کے بارے میں ملتی ہیں وہ متواتر اور قطعی الصدور نہیں ہیں لہٰذا ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ عورتیں ناقص العقل اور ناقص الایمان ہیں۔ کوئی بھی اس اہم موضوع کے بارے میں صرف ظن اور گمان کی وجہ سے اس پر عمل کرنے کا حق نہیں رکھتا جب انسان کو کسی جگہ پر یقین پیدا ہو تو اسے چاہئے کہ تحقیق

کرے اور عورتوں کو آزمائے اور دیکھے کہ کیا واقعاً عورتیں ناقص العقل اور ناقص الایمان ہیں یا نہیں؟

یہ دو روایات صرف گمان کی حد تک مفید ہیں، ہم ان کو اسلام کی طرف نسبت نہیں دے سکتے ہیں یعنی واقعاً کچھ عورتیں جیسے: حضرت فاطمہؑ جناب خدیجہؑ، جناب زینبؑ، جناب سکینہؑ جناب مریمؑ اور جناب آسیہؑ کہ یہ باعظمت خواتین تھیں اور ان کی قرآن نے کس طرح تعریف کی، کیا وہ بھی ایسی ہی تھیں؟ تاریخ میں بہت سی ایسی عورتیں تھیں جن کی عقل بہت سے مردوں سے بالاتر تھی اور انہوں نے بہت اچھے اچھے آثار چھوڑے ہیں۔ کیا انسان ان کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ضعیف الایمان اور ناقص العقل تھیں؟ یہ نہیں کہا جا سکتا، پس اس حکم کی عمومیت خطرہ میں ہے، لہٰذا اگر کوئی صحیح فیصلہ کرنا چاہتا ہے تو اسے اس طرح کہنا چاہئے کہ عورتوں کے درمیان بعض عورتیں ناقص العقل اور ناقص الایمان ہیں جس طرح کہ مردوں میں بھی ہیں۔

دوسری بحث یہ کہ جس عقل کو حدیث نے ناقص بتایا ہے وہ کون سی عقل ہے کیونکہ ایک ''عقل ذاتی'' ہوتی ہے کہ جو انسانوں میں ہے، حیوانوں میں نہیں ہے اور دوسری مخلوقات پر انسان کی برتری کا سبب ہے یہ عقل انسان کی روح مجرد ہے اور یہ کلیات اور اس جیسی چیزوں کو درک کرتی ہے۔ یہ عقل ذاتی سب انسانوں کے اندر وجود رکھتی ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت؛ عقل کی دوسری قسم ''عقل اکتسابی'' ہے جسے عقل اجتماعی بھی کہتے ہیں۔ وہ عقل جسے انسان سماج میں حاصل کرتا ہے۔ ہر انسان ابتدا سے ایک عقل رکھتا ہے جو زندگی کے ساتھ کامل ہوتی جاتی ہے یعنی انسان جتنا علم حاصل کرتا ہے اس کی عقل اتنی ہی زیادہ کامل ہوتی ہے یا تجربہ سے عقل کامل ہو جاتی ہے، عقل اکتسابی وہ عقل ہے کہ ہر انسان چاہے مرد

ہو یا عورت وہ اسے رشد دے کر کمال تک پہنچ سکتا ہے۔

عقل ذاتی میں تمام انسان برابر ہیں اور اصلاً عورت اور مرد میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ دونوں ہی انسان اور دونوں ہی عاقل ہیں۔ اس موضوع کے بارے میں آیات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ عقل اکتسابی کو بھی دونوں حاصل کر سکتے ہیں اگر ایک مرد کو محدود ماحول میں رکھا جائے تو وہ تکامل پیدا نہیں کر سکتا لیکن اگر سماج میں اسے ذمہ داری دی جائے تو اس کی عقل کامل تر ہو جاتی ہے، اگر مرد نہ پڑھے تو اس کی عقل ناقص ہے لیکن جب پڑھ لے تو اس کی عقل کامل ہو جاتی ہے، عورتیں بھی اسی طرح سے ہیں کہ اگر وہ سماج میں داخل نہ ہوں اور ایک محدود ماحول میں زندگی گذاریں تو واضح سی بات ہے کہ ان کی عقل کامل نہیں ہوگی، اس کے برعکس اگر اجتماع میں رہیں تو ان کی عقل کامل تر ہو جائے گی۔

لہٰذا اس مسئلہ کو ہم اس طرح سے بیان کر سکتے ہیں کہ اگر بالفرض یہ روایات صحیح بھی ہوں اور اگر بالفرض پیغمبرؐ نے عورتوں کے بارے میں یہ کہا ہو کہ وہ ناقص العقل اور ناقص الدین ہیں اور کہا ہو کہ تم اس طرح کی ہو۔ تو آپ نے اس زمانہ کی عورتوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہا ہوگا یعنی وہ عورتیں کہ جو محروم تھیں اور سماجیات میں ان کا کوئی خاص کردار نہیں تھا، لہٰذا ان کی یہ حالت تھی اور ان تمام روایات میں کبھی یہ نہیں کہا ہے کہ عورتیں ہمیشہ ایسی ہی ہیں بلکہ اس کے برعکس دوسری روایتوں میں تو ان کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ علم وایمان کے ذریعہ اپنی عقل اور ایمان کو کامل کریں۔ عورتیں کبھی کبھی مردوں سے بالاتر ہو سکتی ہیں اور تجربہ بھی اسی بات کا ثبوت دیتا ہے کہ عورتیں جب بھی سماجی کاموں میں شریک ہوئی ہیں تو ان کی عقل میں اضافہ ہوا ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہر طرح کی موجودگی سے ان کی عقل کامل ہو جائے گی جیسا کہ ہم کو بہت سی عورتیں دنیا میں ایسی دکھائی دیتی ہیں۔ مخصوصاً مغربی

ممالک میں کہ جو بہت زیادہ آزادی اورادھرادھر رفت وآمد رکھتی ہیں لیکن ان کی عقل کامل نہیں ہوتی عقل ذمہ داریوں کو نبھا کر علم حاصل کرنے اوراسی طرح کی دوسری چیزوں کے ذریعہ کامل ہوتی ہے اور عورت اور مرد میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عورتیں جذبات کے اعتبار سے قوی ہوتی ہیں لیکن ان کے جذبات کا قوی ہونا ان کے ضعیف ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ وہ محنتی اور جذباتی ضرور ہوتی ہیں لیکن جذبات اور عقل میں کوئی اختلاف نہیں ہے ممکن ہے کوئی بہت زیادہ جذباتی اور محنتی ہو اور عقل کے اعتبار سے بھی قوی ہو۔ اگر عورت کو گھر کے ماحول میں ڈال دیں کہ وہ صرف بچوں کی تربیت کرے تو اس کا جذبۂ محبت قوی تر ہو جائے گا اور ممکن ہے اس کی عقل زیادہ رشد نہ کرے لیکن اگر یہی عورت ایک دانشمند یا صاحب علم بھی ہو جائے تو وہ عقل اور جذبۂ محبت دونوں اعتبار سے قوی ہو جائے گی۔ اس وقت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ مرد سے بھی بالاتر ہو سکتی ہے۔

رہا یہ مسئلہ کیا واقعاً عورت اور مرد کی خلقت میں جسمانی اعتبار سے کوئی فرق ہے یا نہیں؟

اجمالاً یہ کہنا چاہئے عورتوں میں خلقت کے اعتبار سے کوئی نقص نہیں ہے اگر فرق بھی ہو تو اس طرح کا نہیں ہے کہ ہم کہہ سکیں کہ ناقص العقل ہیں۔ کیونکہ ناقص العقل اسے کہتے ہیں جس کے پاس صحیح عقل نہ ہو۔ لہٰذا ہم نہیں کہہ سکتے کہ عورت قوت تعقل کے اعتبار سے مردوں سے ضعیف ہے اور تجربہ بھی شاہد ہے کہ جب بھی عورتیں کسی میدان میں آئی ہیں وہ مردوں سے پیچھے نہیں رہی ہیں۔

بہرحال عقل کہ جو انسان کی روح مجرد ہے عورت اور مرد میں برابر ہے اور اس عقل کی خاصیت یہ ہے: درک، استدلال، برہان کرنا اور اس جیسی چیزیں اور یہ مرد اور عورت

دونوں میں پائی جاتی ہے اس لئے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ صرف ایک کے پاس ہے لیکن اس مسئلہ میں کہ مثلاً کچھ مسائل میں ممکن ہے عورتیں مردوں سے قوی تر ہوں اور وہ ضعیف تر ہو ں یا اس کے برعکس۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن یہ نقص کی دلیل نہیں ہے۔ ایک کسی اعتبار سے قوی تر ہے اور دوسرا کسی اور اعتبار سے، خود مرد بھی اسی طرح سے ہے مثلاً کبھی ایک مرد حفظ کرنے کے اعتبار سے اچھا ہے تو دوسرا فکری اعتبار سے، ایک مرد ہنر کے اعتبار سے اور دوسرا ادبیات وغیرہ کے اعتبار سے وغیرہ وغیرہ... اسی طرح عورتیں بھی مختلف ہیں لہٰذا ان کی صلاحیت اور طاقت میں فرق ہونا نقص ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

سوال: دینی کتابوں میں کچھ ایسے الفاظ آئے ہیں جن سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ عورت مردوں کے اشارہ پر چلنے والی ایک پست اور دوسرے درجہ کی مخلوق ہے اور اپنی پیدائش، گھریلو اور سماجی زندگی میں اس کی اصل اہمیت مرد کی وجہ سے ہے مثلاً عورت اور مرد میں میراث، دیت اور اس طرح کے دوسرے مسائل میں فرق ہے، یا بعض جگہوں پر عورت کو مرد کا تابع ہونا چاہئے مثلاً کنواری لڑکی کے لئے اپنی شادی میں باپ یا دادا کی اجازت لینا ضروری ہے، شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے خارج نہ ہونا، تو کیا عورتوں کے لئے اس طرح کی دوسری مثالوں سے یہ سمجھنا صحیح ہے یا نہیں؟

جواب: مذکورہ سوال میں مختلف باتیں بیان ہوئی ہیں جن میں ہر ایک کے لئے الگ بحث کی ضرورت ہے اور اس کو روشن کرنا ضروری ہے بعض مواقع ایسے ہیں جنہیں ہم اصلاً اسلام کی طرف نسبت نہیں دے سکتے اور ہمیں دین کے بارے میں ایسا فیصلہ نہیں کرنا چاہئے مثلاً حدیث میں آیا ہے "المرأة شر كلها" عورت تمام کی تمام شر ہے۔

یہ حدیث مختلف دلائل کی بنا پر اصلاً قابل اعتبار نہیں ہے یا مثلاً عورتوں کے بارے میں ایک یہ مسئلہ ہے کہ عورت شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے اس مسئلہ پر گفتگو ضروری ہے کہ یہ کیا بات ہے اس کے کیا شرائط ہیں؟ یہ مقید ہے یا مطلق؟ ارث اور نکاح یا اسی طرح کے مسائل کہ جن کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ ان سب کے لئے ایک مستقل بحث کی ضرورت ہے وہ روایات جو نقص عقل کے بارے میں ہیں یا یہ آیت (الرجال قوامون علیٰ النساء) مرد عورتوں پر سرپرستی رکھتے ہیں۔(۱)

اگر ہم ان سب باتوں کو جمع کریں اور نتیجہ نکالنا چاہیں اور بقیہ اسلامی احکام اور دینی تعلیمات کی طرف توجہ نہ کریں تو یہ کام کسی اعتبار سے صحیح نہ ہوگا۔

اس طرح نہیں ہے کہ اسلام نے عورت کو ایک پیچھے چلنے والی اور دوسرے درجہ کی مخلوق قرار دیا ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں، انہوں نے اسلام کی طرف ایسی باتوں کی نسبت دی ہے جن کی کوئی دلیل نہیں ہے یا بعض اسلامی کتابوں سے غلط سمجھا ہے اور اسی غلط فہمی کی بنیاد پر وہ اسلام کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس شبہہ کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دین کے مسائل کو ہر پہلو سے مکمل طور پر بیان کیا جائے تا کہ اس کی حقانیت اور ان کا حسن سب کے لئے آشکار ہو جائے۔

جو یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام صرف مرد کی حکومت کا قائل ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ اسلام نے تمام کاموں کی تقسیم بندی بیان کی ہے اور اسلام نے اس کام کو زیادہ پسند کیا ہے جو عورتیں انجام دیتی ہیں مثلاً بچوں کی تربیت عورت کی ایک خصوصیت ہے اور کوئی مرد اس خصوصیت کو حاصل نہیں کرسکتا۔ سماج میں بھی بعض کام مردوں کے لائق اور بعض کام عورتوں کے لئے

---

(۱) نساء (۴) آیت ۳۴۔

مناسب ہیں، اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا یہ اس اعتبار سے ہے کہ عورت اور مرد ایک خاص اعتبار سے خلق کئے گئے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عورت صرف محکوم ہو جائے اور ہر بات کا فیصلہ صرف مرد کرے، عورتیں اگر اپنی صلاحیت، حقوق اور ان صلاحیتوں سے صحیح فائدہ اٹھائیں جو اسلام نے انہیں دیا ہے تو وہ سماج اور گھر دونوں جگہ ایک اچھا وقار اور منزلت حاصل کرسکتی ہیں۔

سوال: وہ روایات کہ جنہوں نے مردوں کو عورتوں سے مشورہ کرنے سے منع کیا ہے کیا وہ روایات صحیح ہیں؟

جواب: بعض ایسی حدیثیں ضرور ملتی ہیں جن میں عورتوں سے مشورہ کرنے کو منع کیا گیا ہے، بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر تمہیں کسی کام میں شک پیدا ہو تو عورتوں سے مشورہ کرو اور جو وہ کہیں اس کے برخلاف انجام دو۔

ایک حدیث اس مضمون کے ساتھ امیر المومنینؑ سے نقل ہوئی ہے:

"ایاک و مشاو رة النساء الا من جربت تکمال عقل فان رایهن یجر الی الا فن و عز مهن الی و هن" (۱)

عورتوں کے ساتھ مشورہ کرنے سے پرہیز کرو مگر وہ کہ جن کی عقلیں تجربہ کی بنا پر کامل ہوگئی ہوں، کیونکہ ان کی رائے انسان کے اندر بزدلی پیدا کردیتی ہے اور اس کے عزم میں تزلزل پیدا کردیتی ہے۔ کتابوں میں اس طرح کی تقریباً دس یا بارہ حدیثیں پائی جاتی ہیں لہٰذا ان کے بارے میں چند نکات بیان کرنا لازم ہے۔

(۱) بحار الانوار: ج ۱۰۰، ص ۲۵۰

پہلے تو یہ کہ: جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں ہر حدیث معتبر نہیں ہے، بلکہ صرف صحیح، موثق یا حسن حدیثیں ہی معتبر ہیں۔ لیکن وہ حدیثیں جو ضعیف، مرسل، مرفوع، مجہول یا جعلی وغیرہ ہیں وہ حجت نہیں ہیں ان حدیثوں میں سے بعض ضعیف ہیں اور معتبر نہیں ہیں۔ البتہ ان میں بھی بعض صحیح حدیثیں ہیں مگر ہم ان کی کم تعداد کی وجہ سے انہیں قطعی نہیں کہہ سکتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ وہ روایات جو کہ قطعی الصدور نہ ہوں (جن کا حدیثِ معصوم ہونا یقینی نہ ہو) ہم انہیں معتبر نہیں جانتے ہیں اور وہ ہمارے لئے کوئی فریضہ معین نہیں کر سکتیں یا وہ جو کہ ایک حقیقت کی خبر دیتی ہیں مثلاً یہ کہ کہا گیا ہے عورتوں کے ساتھ مشورہ نہ کرو کیونکہ اگر ان کے ساتھ مشورہ کرو گے تو یہ تمہیں کمزوری کی طرف گھسیٹ لے جائیں گی، اس روایت کا انداز اس طرح کا نہیں ہے کہ ہم یہ کہہ سکیں یہ ہمارے لئے ایک شرعی اور تعبدی حکم کو بیان کر رہی ہیں بلکہ یہ ارشادی مسائل میں سے ہے۔

تیسرے یہ کہ ان میں سے بعض حدیثیں مطلق ہیں اور بعض مقید ہیں مثلاً یہاں استثناء کیا گیا ہے ''الا من جربت بکمال عقل''، یعنی مشورہ نہ کرو مگر اس سے کہ جس کی عقل تجربہ کی وجہ سے کامل ہوگئی ہو۔ اگر ہم ان دونوں کو ملانا چاہیں تو اصولاً ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ کیونکہ عورتوں کی باتیں یا ان کی رائے ناقص ہوتی ہے اور اس سے بزدلی پیدا ہو جاتی ہے لہٰذا اسے قبول نہ کرو مگر وہ کہ جس کی ذہانت اور صلاحیت کا تم تجربہ کر چکے ہو، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے سمجھدار عورتوں کی بات پر عمل کر سکتے ہیں اور ان سے مشورہ کر سکتے ہیں۔

مردوں کے بارے میں بھی ہمیں یہی حکم ملتا ہے اور اس سلسلہ میں بھی ایسی روایات ملتی ہیں جس میں یہ تاکید ہوئی ہے کہ ان لوگوں سے مشورہ کرو جو عاقل ہیں اور ان سے مشورہ نہ کرو جن کی عقل ناقص ہے۔ لہٰذا مردوں کے لئے بھی اسی طرح سے کہا گیا ہے،

اب یہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان جس سے مشورہ کرے، چاہے وہ مرد ہو یا عورت پہلے اس کو اچھی طرح پہچان لے کہ وہ خیر خواہ، عاقل اور نیک کردار ہو، اس سلسلہ میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

پیغمبرؐ اور ائمہؑ نے بھی بعض جگہوں پر عورتوں سے مشورہ کیا ہے مثلاً اپنے اور مشرکوں کے درمیان صلح نامہ لکھوایا تو پیغمبرؐ کے اصحاب اور خود آنحضرتؐ اس وقت احرام باندھے ہوئے تھے کیونکہ وہ عمرہ کے لئے اور طواف کے لئے مکہ جارہے تھے مگر صلح کی وجہ سے اس سال مسلمانوں کو حج پر جانے سے روک دیا گیا تھا۔ پیغمبرؐ نے اپنے صحابیوں سے فرمایا کہ ''مُحل'' ہو جاؤ اور احرام سے باہر آجاؤ۔ اصحاب کے لئے یہ بہت سخت تھا چونکہ جو محرم ہوتا ہے وہ اسی وقت مُحل ہوسکتا ہے کہ جب طواف کر چکا ہو، بغیر طواف کے احرام سے باہر آنا ان کے لئے قابل قبول نہ تھا اور اگر چہ پیغمبرؐ نے صراحت کے ساتھ کہا تھا کہ مُحل ہو جاؤ مگر ان لوگوں نے آپ کی اطاعت نہ کی، پیغمبرؐ اپنے مخصوص خیمہ میں آئے اور آپ کی بیوی ام سلمہ نے ماجرہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: میں نے انہیں یہ حکم دیا ہے، پھر ان لوگوں نے اطاعت نہیں کی ہے تو جناب ام سلمہ نے کہا یا رسول اللہؐ آپ خود گوسفند ذبح کر کے تقصیر کرلیں اور مُحل ہو جائیں اور ان سے کوئی مطلب نہ رکھیں، پیغمبرؐ نے بھی اصحاب کے سامنے یہ عمل انجام دیا تو تمام اصحاب بھی محل ہو گئے۔

بہت سی جگہ پر ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ حضرت علیؑ نے جناب فاطمہؑ سے مشورہ کیا ہے اور خود ائمہؑ نے بھی عورتوں سے مشورہ کیا ہے، لیکن اس زمانہ کے حالات کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب عورتیں سماجی معاملات میں کم شرکت کرتی تھیں اور ان کے تجربات کم تھے لہٰذا ایسی صورت حال کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ عورتوں سے مشورہ نہ کرو کیونکہ وہ کامل

نہیں ہیں لیکن یہ نہیں کہا گیا ہے کہ عورتوں کو سماج میں نہ لاؤ عورتوں کے سماجی کاموں میں حصہ لینے سے ان کی عقل کامل ہو جائے گی اور مشورہ کے وقت ان کی رائے ٹھوس ہوگی۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر ہم یہ قبول کرلیں کہ روایت میں کلمۂ استثناء یہ مفہوم رکھتا ہے کہ اگر چہ روایت نے عورتوں سے مشورہ کرنے کو منع کیا ہے مگر اس میں وہ شامل نہیں ہیں کہ جن کی ذہانت اور عقل کا تجربہ کیا گیا ہو تو ہم یہاں پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جن عورتوں کی ذہانت کی تائید موجود ہے ان سے مشورہ کرنا نہ صرف یہ کہ منع نہیں ہے بلکہ روایت نے اس کی تاکید بھی کی ہے۔

بہر حال اسلام نے مشورہ کرنے کے بارے میں یہ تاکید کی ہے کہ اگر انسان اس سے مشورہ کرے جو مشورہ دینے کا اہل ہے تو یہ مشورہ کرنے والے کے حق میں فائدہ مند ہے، اس کے علاوہ روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ عورتوں اور ان کے بچوں کے مسائل کے بارے میں انہیں سے مشورہ کرو کیونکہ وہ ان مسائل سے زیادہ واقفیت رکھتی ہیں۔ مختصر یہ کہ اگر ہم اس روایت کے بارے میں یا نقص عقل سے مربوط روایت کے بارے میں مدلل گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو اس سلسلہ میں موجود تمام روایتوں کے بارے میں باقاعدہ تحقیق کرنا ہوگی۔

سوال: بعض روایات نماز جمعہ، جماعت اور تشییع جنازہ میں عورتوں کی شرکت کو صحیح نہیں سمجھتی ہیں کیا عورتوں کو ایسے کاموں میں شریک ہونے سے مطلقاً منع کیا گیا ہے یا ایسی روایات اس زمانہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے بیان کی گئی ہیں؟

جواب: ایسی حدیثوں میں عام طور سے ان کاموں کا تذکرہ ہے کہ جو عورتوں کے لئے باعث مشقت ہونے کی بنا پر واجب نہیں ہیں مثلاً: امام جعفر صادقؑ سے یہ حدیث جابر

جعفی نے نقل کی ہے:

لیس علیٰ النساء اذان ولا اقامة ولا جمعة ولاجماعة ولا عیادة المریض ولا ابتاع الجنازة ولا اجهار بالتلبیة ولا الهرولة بین الصفاو المروة ولا استلام الحجر الاسود ولا دخول الکعبة.(۱)

آپ نے دیکھا کہ اس روایت میں آیا ہے کہ بعض کام جیسے :اذان ،اقامت ، نماز جمعہ اور جماعت میں شرکت، مریض کی عیادت، تشیع جنازہ، احرام میں تلبیہ کو بلند آواز سے کہنا، صفاء ومروہ کے درمیان دوڑنا، حجر اسود کو چھونا اور بوسہ دینا اور کعبہ میں داخل ہونا عورتوں پر لازم نہیں کیا گیا ہے۔ ان میں سے اکثر روایات کا لہجہ اسی طرح کا ہے اور ان سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ کیونکہ عورتوں کے ذمہ معمولاً گھر داری، بچہ داری اور بچہ کی تربیت ہوتی ہے اور وہ اس طرح کی دوسری مشکلات سے دوچار ہیں لہٰذا اسلام نے یہ چاہا کہ ان کے حق میں احسان کر دیا جائے۔

اسی وجہ سے بعض کاموں کو ان کے لئے واجب قرار نہیں دیا ہے نہ یہ کہ اس کام سے منع کیا ہو مثلاً نماز جمعہ کے واجب ہونے کو ختم کیا ہے، نہ یہ کہ ان کے لئے اصلاً نماز جمعہ ممنوع کر دی گئی ہو اور یہ عورت کے بارے میں ایک احسان ہے۔ احسان اور پابندی دو الگ چیزیں ہیں یعنی یہ نہیں کہا کہ نہ جاؤ بلکہ یہ کہا ہے کہ تمہارے لئے جانا ضروری نہیں ہے، جب جا سکتی ہوں اور جانا مناسب ہو تو چلی جائیں۔

البتہ ممکن ہے بعض احادیث کا انداز یہ نہ ہو بلکہ ان میں اس طرح کہا گیا ہو کہ مثلاً

---

(۱) بحار الانوار ج ۱۰۳، ص ۲۵۴.

عورت کی نماز گھر میں زیادہ فضیلت رکھتی ہے، ان روایات کو ایک ساتھ ملا کر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اسلام نے عورت کو راضی کرنا چاہا ہے تا کہ اپنے ثواب میں کمی کا احساس نہ کرے کیونکہ اس زمانہ میں نماز جماعت میں شریک ہونے لئے بہت رغبت دلائی جاتی تھی۔ لہٰذا اگر اس وقت یہ کہا جاتا کہ تم نماز جماعت میں نہ جاؤ تو واضح سی بات ہے کہ عورتیں ناراض ہوتیں، کیونکہ وہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی عادی ہوگئی تھیں، یہ روایت چاہتی تھی کہ ان کی دلجوئی کرے کہ جب تمہیں کوئی پریشانی یا عذر ہو تو اپنی نماز کو گھر میں بھی پڑھ سکتی ہو اور خدا وہی فضیلت تمہیں عطا کرے گا جو مسجد والوں کے لئے ہے۔ میں نے حدیث سے یہی سمجھا ہے البتہ یہ روایت ان مواقع اور حالات کے لئے بھی ہو سکتی ہے کہ جب سماج میں عورتوں کا حاضر ہونا مشکل تھا اور یہ میری نظر میں بعید نہیں ہے۔

بعض روایتیں کہتی ہیں: عورت کے لئے بہتر ہے کہ وہ اندرونی کمرہ میں نماز پڑھے، پہلے ہمیں اس روایت کی سند کے بارے میں تحقیق کرنا چاہئے کہ کیا وہ معتبر ہے یا نہیں؟

اگر اس کی سند صحیح ہو تو اس کو ہم ان زمانہ پر محمول کر سکتے ہیں کہ جب عورتیں جماعت میں حاضر نہیں ہو سکتی تھیں اسی لئے ان سے یہ کہا گیا ہے تا کہ وہ جماعت اور مسجد کی فضیلت اور ثواب سے محرومی پر غمگین نہ ہوں۔

اس کے علاوہ ثقافتی وسیاسی مراکز میں عورتوں کی موجودگی، مسجدوں اور انجمنوں وغیرہ یا اجتماعی کاموں میں ان کی شرکت ایک صحیح اور ضروری چیز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ یہ ایک فریضہ ہے۔ کیونکہ سماج میں ہر آدمی کو کام کرنا چاہئے جیسے مظاہرات میں شرکت کرنا یا میدان جنگ میں فوجیوں کی مدد کرنا، البتہ اس طرح کے کام عورتیں اپنی فرائض پر عمل کرتے ہوئے انجام دیں۔

سوال: سماجی، سیاسی اور اقتصادی کاموں میں عورتوں کی شرکت نیز ان میں کام کرنے کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟

جواب: سماجی، سیاسی اور اقتصادی کاموں میں عورتوں کی شرکت کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے ہم یہ بتا دیں کہ عورتیں بھی مردوں کی طرح تمام اقتصادی، سیاسی اور سماجی کاموں میں بہترین کردار ادا کرسکتی ہیں اور شرعی اعتبار سے ان کے لئے کسی بھی کام میں شرکت کرنا منع نہیں ہے، البتہ اس سلسلہ میں دو چیزوں کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے ایک ''قضاوت'' کہ ہمارے فقہاء میں بعض عورتوں کے قاضی ہونے کو جائز جانتے ہیں اور بعض اس سے منع کرتے ہیں دوسرے عورتوں کی حکومت کے بارے میں بھی یہی اختلاف ہے کہ کیا عورت اسلامی اقتدار کی کمان سنبھال سکتی ہے یا نہیں؟ ان کے علاوہ بقیہ کاموں میں وہ مطلقاً آزاد ہیں اور اس کا کوئی مخالف نہیں ہے۔

لیکن کیونکہ عورتوں کی مخصوص صفات ہوتی ہیں لہٰذا انہیں چاہئے کہ ایسا کام منتخب کریں جو ان کے لئے مناسب ہو۔ عورتوں کی ایک صفت (جس کی طرف ہم پہلے اشارہ کرچکے ہیں) ان کی نزاکت، خوبصورتی اور لطافت ہے اور یہ ان کا امتیاز ہے، نہ صرف یہ کہ ان کے لئے یہ نقص نہیں ہے بلکہ یہ ان کا کمال ہے اور اس کی حفاظت خود عورتوں کے، ان کے گھر والوں اور سماج کے لئے بھی مفید ہے اسی بنا پر ایسے سنگین کام کرنا جو ان کی جسمانی ساخت سے ہماہنگ نہیں ہیں انہیں اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے مثلاً سخت کام جیسے: بڑی گاڑیوں کو چلانا یا جنگلوں میں کام کرنا یا دوسرے کام مثلاً راستہ بنانا، گھر بنانا یا وہ کام جن کی وجہ سے رات میں جاگنا پڑے اور وہ تھکا دینے والے بھی ہوں یا وہ کام جن میں گندگی کی وجہ سے ان کی

نزاکت اورخوبصورتی کونقصان پہنچے مثلاً: لوہا پگھلانے کے کام ،کانوں میں کام کرنا ،گاڑیاں؛ یادوسری بڑی چیزوں میں کام کرنا مثلاً کھیتی باڑی کہ جس میں سورج کی گرمی سے ان کی صورت اور حسن بدل جائے۔اس طرح کے کام اگر چہ عورتوں کے لئے حرام نہیں ہیں لیکن ان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ ایسے کام ہرگز نہ کریں۔

عورتوں کی دوسری اہم صفت ان کا محبتی اور جذباتی ہونا ہے اور یہ بھی ان کے لئے نقص نہیں ہے بلکہ کمال ہے، بہت سے مقامات پراس کے اچھے اثرات بھی سامنے آتے ہیں البتہ بعض مرد بھی محبتی اور جذباتی ہوتے ہیں لیکن عورتیں ان سے زیادہ محبتی ہوتی ہیں۔ لہٰذا اپنے لئے کوئی کام انتخاب کرتے وقت وہ اس بات کی توجہ کریں کہ ایسا کام انتخاب کریں جوان کے جذبۂ محبت کے ساتھ سازگار ہو مثلاً فوج میں بھرتی ہونا، کیونکہ وہاں مرنے اور مارنے اور تباہ وبرباد کرنے کا حکم دینا پڑتا ہے اور جب جنگ ہوگی تو یقیناً اس میں بعض مریں گے، چیخ پکار مچے گی اور ممکن ہے کہ جذبۂ محبت سے سرشار یہ مخلوق اس سے متاثر ہو جائے اور اس کا فریضہ اس کے جذبات کے مخالف ہو جائے تو اس وقت اس کے ملک کی مصلحت کونقصان پہنچے گا یا مثلاً: کسی کوسزا دینا اور حد قائم کرنا اور اس جیسے کام مثلاً کوڑے لگانا عورت کی نزاکت وفطرت سے سازگار نہیں ہے چنانچہ اگر وہ ایسا کرے گی تو یا وہ اپنی ذمہ داری اور فریضہ کوادا نہیں کرے گی یا اس کے جذبات اور عواطف کو ٹھیس پہنچے گی۔

البتہ یہ تمام قاعدے استثناء بھی رکھتے ہیں۔ یعنی ممکن ہے کہ کسی عورت میں یہ خصوصیتیں نہ ہوں لیکن اکثر عورتیں بہرحال ایسی ہی ہوتی ہیں۔ چنانچہ جن روایات میں عورت کے قاضی نہ ہونے کا ذکر ہے اور جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ یہ کام عورتوں کے لئے مناسب نہیں ہے یہ اسی وجہ سے ہے، مزید ہم یہ کہہ سکتے ہیں قضاوت عورت کے لئے فطری

طور پر مناسب نہیں ہے کیونکہ اس میں ایک شخص کے خلاف فیصلہ ضرور ہوتا ہے، لہٰذا جو مجرم قرار دیا جاتا ہے وہ معمولاً چیخنے لگے گا یا ڈرائے دھمکائے گا، لوگوں کو بدلہ لینے کے لئے بھیجے گا، اپنی مظلومیت کا اظہار کرے گا تو عورتیں ایسے مواقع پر دل سوز اور رحم دل ہونے کی وجہ سے اس پر رحم کریں گی اور اس سے متاثر ہو جائیں گی۔ اگر چہ اس میں استثناء بھی ہیں لیکن قانون تمام لوگوں کے لئے ہوتا ہے۔

عورتوں کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ بچوں کی تربیت کے لئے زیادہ مناسب ہیں۔ اگر چہ مردوں پر بھی بچوں کی تربیت فرض ہے لیکن عورتوں کی نرم دلی اور جذبۂ محبت اس کام کے لئے ان کی زیادہ شائستگی کی دلیل ہے اگر چہ بچوں کی تربیت ماں باپ کی مشترکہ ذمہ داری ہے لیکن اس میں عورت کا کردار زیادہ اہم ہے جس سے ہرگز چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ہے، اگر مرد نہ ہو تب بھی عورت بچوں کی تربیت کر سکتی ہے لیکن اس کے برعکس بہت مشکل ہے لہٰذا عورتوں کو اپنی اس قدر ومنزلت کو فراموش نہ کرنا چاہئے جو انہیں خداوند عالم نے بچوں کی تربیت کے بارے میں خاص طور پر عطا فرمائی ہے اور وہ اس بات کی کوشش کریں کہ یہ مشغلہ ان کے انسانی فریضہ اور اس بیش قیمت نعمت کے منافی نہ ہو۔

بنیادی اثرات اور نتیجہ کے حامل جتنے کام بھی سماج کی سعادت کے ضامن ہیں ان کاموں میں شاید کوئی بھی کام کسی انسان کی تربیت سے زیادہ اہم نہ ہو، اسی لئے جس چیز پر عورتوں کی نظر ہونا چاہئے وہ گھر اور گھرانہ کی بقاء اور اس کی حفاظت کرنا ہے، گھر کی حفاظت کی ذمہ داری مرد اور عورت دونوں ہی پر ہے لہٰذا مرد کو چاہئے کہ ایسا کام انتخاب کرے جو گھر کے ماحول کے لئے مضر نہ ہو اور عورتوں کو بھی یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ان کے گھر کی بقاء کے منافی نہ ہو۔

دوسرا نکتہ یہ کہ عورتوں کے لئے ایسے کام انجام دینا جن میں مرد اور عورت کو ایک دوسرے سے قریب رہنا پڑتا ہے، یہ بھی عورتوں کی مصلحت میں نہیں ہیں۔ کیونکہ نامحرم مرد اور عورت کا حد سے زیادہ ایک ساتھ رہنے اور آپس میں رابطہ رکھنے سے نہ صرف یہ کہ روحی دباؤ اور اختلال یا کام میں کمی آتی ہے بلکہ ممکن ہے یہ بدکاری کا سبب بھی بن جائے اور اس سے گھر کے استحکام پر بھی برا اثر پڑے۔ میرے نظریہ کے مطابق ان تمام چیزوں کا تقاضہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے کاموں میں کچھ پابندیوں کی رعایت کریں۔ ہم پھر اس بات کی یاددہانی کراتے ہیں کہ ان تمام بحثوں سے یہ نتیجہ نہ نکالنا چاہئے کہ بعض کام عورتوں کے لئے ممنوع یا حرام ہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان مسائل پر توجہ یا سماجی کام کرنے سے ان کے لئے یا ان کے گھر اور سماج کے لئے مشکلیں پیدا نہ ہوں۔

دوسری طرف سے بعض کام عورتوں کے لئے کاملاً مناسب اور اہم ہیں مثلاً وہ کام جو تعلیم اور تربیت سے متعلق ہیں ممکن ہے ان میں کوئی بھی ایسی زحمت نہ ہو جو پہلے ذکر ہو چکی ہیں اور عورتیں بڑی آسانی کے ساتھ ابتدائی تعلیم سے لے کر متوسط اور عالی ترین مرحلوں تک بچوں کو تعلیم دے سکتی ہیں، خاص طور سے جو مقامات صرف ان سے مخصوص ہیں جیسے :لڑکیوں کے اسکول یا مدرسہ میں پڑھائے تو ان کے لئے کوئی زحمت نہیں ہے۔

یہ بہتر کام ہے جو، ان کے مزاج اور نزاکت سے تناسب رکھتا ہے، جیسے کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ بعض کام عورتوں کے لئے ضروری ہیں مثلاً عورتوں کو کوشش کرنا چاہئے کہ ڈاکٹری کے تمام شعبوں میں تعلیم دینے سے لے کر مدیریت تک خود کفائی حاصل کریں اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس خدمت کو مردوں کے لئے بھی انجام دیں۔ لیکن یہ کتنا بہتر ہے کہ وہ اس کام میں مردوں کی محتاج نہ رہیں۔

عورتوں کے لئے جو دوسرا میدان مناسب ہے وہ علمی، ادبی فرہنگی اور ہنری کاموں میں شرکت کرنا ہے، علمی تحقیقیں، لکھنے کے مختلف کام جیسے: خطاطی، نقاشی (پینٹنگ) یا قالین بنانا یہ تمام کام عورتوں کے لئے بہتر ہیں اور یہ سب کام خانہ داری، بچہ داری کے ساتھ انجام دئے جاسکتے ہیں۔

ممکن ہے کبھی کوئی سوچے کی قالین بنانا اچھا کام نہیں ہے۔ لیکن اس میں کیا حرج ہے؟ ظریف اور خوبصورت کام ہے کہ انسان اپنے ہاتھوں سے اسے خوبصورت بناتا ہے اور خود اپنی اور اپنے ملک کی مدد کرتا ہے، آج کل عورتیں کمپیوٹر کی مدد سے بہت دلچسپ اور قیمتی علمی اور ہنری کام انجام دے رہی ہیں، بہر حال میں عورتوں کو یہ تاکید کرتا ہوں کہ بے کار نہ بیٹھیں۔ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ تمام عورتیں کام کریں لیکن جن چیزوں کا لحاظ کرنا چاہئے ان کی رعایت ضرور کریں۔

سوال: آپ کا نظریہ ''خانہ داری'' کے بارے میں کیا ہے؟

جواب: انقلاب سے پہلے شاہی حکومت کی سیاست یہ تھی کہ عورت کے گھریلو کاموں کی توہین کرے اور اسے فضول کام اور گھر میں بیٹھنے کا نام دے کر عورت کی قدر ومنزلت کو کم کر دیا جائے مگر انقلاب کے بعد یہ مسئلہ کافی تبدیل ہو گیا ہے۔ لیکن آج بھی کبھی کبھی عورتوں کے گھر کے کاموں کو حکومتی اعداد وشمار میں ملکی ترقی اور اقتصادی پیش رفت میں شامل نہیں کیا جاتا ہے اور ان کے کاموں کے فوائد کو قومی سرمایہ تصور نہیں کیا جاتا ہے۔ یعنی مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ سماجی اور انسانی ترقی میں خانہ دار عورتوں کے کردار سے کافی حد تک چشم پوشی کی جاتی ہے۔

گھر داری ہر گھرانہ کی بقاء کے لئے ضروری ہے اور یہ صرف گھر کے کاموں کو انجام دینے کا نام نہیں ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم مسئلہ ان چیزوں کی حفاظت اور دیکھ بھال ہے کہ جن کا تعلق انسانی پہلوؤں سے ہے مثلاً شوہر داری اور بچہ داری بھی اسی کا جز ہے۔ یہ سماج کی سب سے پہلی اور اہم ذمہ داری ہے۔ یہ کام قطعاً سبک اور بے قیمت نہیں ہے بلکہ بہت قیمتی ہے۔ اگر گھریلو کام اچھی طرح انجام نہ پائیں تو گھر والوں پر ایک کاری ضرب لگے گی۔ گھر کے کاموں کو عام طور سے خانہ دار عورتیں ہی انجام دیتی ہیں، یہ کام اقتصادی اعتبار سے بھی بہتر اور مناسب ہیں مثلاً اگر گھر کے کاموں کو عورت اور مرد کوئی انجام نہ دینا چاہے تو گھر کی گاڑی کا آگے بڑھنا مشکل ہو جائے گا اور پھر کسی دوسری عورت یا مرد کو ڈھونڈنا پڑے گا جو ان کے گھر کے کاموں کو انجام دے سکے، جس کے لئے نہ جانے کتنا پیسہ خرچ کرنا پڑے گا تبھی گھر کا کام مکمل طریقہ سے ہو سکے گا۔ مگر یہ طے ہے کہ کوئی بھی گھر کی ذمہ دار خاتون (بیوی) کی طرح یہ کام نہیں کر سکتا۔

مثلاً اگر بچوں کی دیکھ بھال کے لئے انہیں کسی بچوں کے اسکول کے سپرد کر دیا جائے تا کہ وہ ماں کی طرح ان کی دیکھ بھال کرے تو اس کے لئے کافی پیسہ خرچ کرنا پڑے گا اور ایک سروس پیشہ عورت یا مرد کو اپنی تنخواہ میں سے اچھا خاصہ پیسہ دینا پڑے گا، لہٰذا اس کام کی اپنی جگہ پر اقتصادی قدر و قیمت بھی ہے۔ اس لئے مرد اور عورت دونوں کو اس مسئلہ کی طرف توجہ رکھنا چاہئے، میرے نظریہ کے مطابق گھر داری ایک بہت مہم اور محترم کام ہے اور مردوں کو بھی خانہ دار عورتوں کی قدر پہچاننی چاہئے۔ یعنی جب عورت گھر پر کام کرتی ہے تو مرد کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کام کی وجہ سے اس کے سر سے بہت بڑے خرچ کا بوجھ کم ہو رہا ہے اور کتنا اچھا ہے کہ اگر وہ مالی قدرت رکھتا ہے تو اتنا پیسہ اپنی بیوی کے اکاؤنٹ میں ڈال

دے تا کہ عورت بھی گھر کے کاموں میں سرگرم رہے اور وہ یہ سمجھے کہ شوہر کی زندگی میں شریک ہے، بعض عورتیں گھر کے باہر اس لئے کام کرنا چاہتی ہیں کہ وہ یہ سوچتی ہیں کہ اگر شوہر انہیں طلاق دیدے گا تو انہیں اس کے گھر سے خالی ہاتھ نہیں نکلنا پڑے گا، اس لئے عورتوں کے کام کا احترام کرنا چاہئے اور ان کے کام کی قدر و قیمت بڑھانا چاہئے۔ میں عورتوں سے یہ تاکید کرتا ہوں کہ بہر حال گھر اور گھر داری کو ہر کام پر ترجیح دیں اور جب تک ضرورت نہ ہو ایسے کاموں کا انتخاب نہ کریں جن سے خانہ داری کو نقصان پہنچتا ہے۔

گھر داری اپنے وسیع معنی میں سماج کی دو طرح سے مدد کرتی ہے، گھر کے کاموں اور بچوں کی صحیح تربیت میں ان کے لئے ماں کی مامتا اور اس کی محبت وشفقت کا سبب بنتی ہے جس سے بچہ اسی کی آغوشِ محبت میں تربیت پاتا ہے۔ چنانچہ وہ بچہ کہ جو صحیح محبت سے سیراب ہے اور جس نے صحیح تربیت پائی ہے وہ غالبًا برائی کی طرف نہیں جائے گا اور برا نہیں بنے گا اور وہ سماج کے لئے فائدہ مند ہوسکتا ہے۔ درحقیقت سماج کے مستقبل کو گھر دار عورتیں ہی چلاتی ہیں، نیز مرد بھی سماج کی جتنی خدمت کرتے ہیں یہ دراصل عورت کی محنت کا نتیجہ ہے جیسا کہ امام خمینیؒ نے فرمایا: ''مرد عورت کے دامن سے معراج حاصل کرتا ہے'' یعنی اگر کوئی مرد ایک انوکھا کام انجام دیتا ہے یا کسی مقام تک پہنچتا ہے تو درحقیقت یہ ماں کی محنت اور اس کی تربیت کا نتیجہ ہے اور یہ کوئی چھوٹی چیز نہیں ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ گھر میں عورت کا کام کرنا خود بنفسہ ایک اچھی چیز ہے نیز اس کا دوسروں کے کاموں پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے اگر کسی سماج کے تمام افراد ایک محبت بھرے ماحول میں رہ رہے ہوں تو وہ بہتر طریقہ سے کام کرسکتے ہیں مثلاً علمی، سیاسی اور اقتصادی کاموں میں ہر جگہ اور ہر چیز میں آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اسی بنا پر گھر دار عورتیں اپنے شوہر کی

ہر کارکردگی اور کامیابی میں صد فی صد حصہ دار ہیں۔یعنی اگر عورت کی مدد اور ہم فکری نہ ہو تو ملک کا وزیر اعظم، وزیر یا دانشمند جو بھی کام کرتا ہے وہ اتنی آسانی سے یہ سب کام نہیں کر سکتا ،در اصل ہر عورت اپنی صلاحیت کے مطابق اپنے شوہر کے کاموں میں حصہ دار ہے۔ چنانچہ سماجی قدر و قیمت کے اعتبار سے اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی یہ بات کتنی دلچسپ اور حسین ہے کہ ایک وزیر اپنے گھر میں اپنی بیوی سے مشورہ کر سکے، جس سے اس کی حوصلہ افزائی بھی ہو اور وہ اس سے مدد لے سکے اور اس کی حمایت حاصل کر سکے۔

لہٰذا اگر ایک گھر دار عورت، گھر سے باہر بھی نہ جائے اور گھر میں ہی اپنا اہم کردار ادا کرتی رہے تو در حقیقت وہ ملکی سیاست کے اقتصاد میں دخیل ہے اور اسے یہ فکر نہیں کرنا چاہئے کہ اس کا وجود حقیر ہے نیز وہ یہ خیال نہ کرے کہ کامیابی اور خدمت صرف گھر سے باہر کے کاموں میں ہی پوشیدہ ہے۔

جب علامہ طباطبائی (قدس سرہ) کی زوجہ کا انتقال ہو گیا تو وہ بہت رو رہے تھے۔ میں نے ایک دن تنہائی میں ان سے کہا ہمیں تو آپ سے صبر اور بردباری کا سبق لینا چاہئے مگر آپ اتنی بری طرح بے قراری کا اظہار کر رہے ہیں۔تو آپ نے فرمایا: اپنی زوجہ کے بارے میں، میری اتنی بے تابی یہ در حقیقت ان کی محبت اور وفاداری کا نتیجہ ہے، میری زوجہ نے پوری زندگی میری اتنی مدد کی ہے کہ جسے ہرگز بھلایا نہیں جا سکتا ہے۔اس کے بعد آپ نے اپنی ان کچھ مشکلات کو بیان کیا جن سے آپ نجف میں رہنے کی وجہ سے دوچار ہوئے تھے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا: تفسیر قرآن لکھنے کے لئے میں نے کبھی کبھی آٹھ آٹھ گھنٹہ تک مسلسل غور و فکر جیسا سنگین کام کیا ہے اور کبھی کبھی میں مجبور تھا کہ چار گھنٹہ تک مسلسل ایک ہی موضوع کے بارے میں غور و فکر کروں جس کی بنا پر ایک طرف تو میں تھک جاتا تھا نیز اگر

اس دوران مجھ سے کوئی باتیں کرنے لگتا تھا تو میری فکر منتشر ہو جاتی تھی اور مجھے نئے سرے سے سوچنا پڑتا تھا آپ نے کہا: میری بیوی اس صورتحال سے اچھی طرح واقف تھیں اسی لئے وہ ہمیشہ چائے کی کیتلی چولہے پر رکھے رہتی تھیں اور میں صبح کے وقت اپنے کمرہ میں چلا جاتا تھا اور انہیں بھی مجھ سے کوئی مطلب نہیں رہتا تھا وہ گھر کے کاموں کو خود انجام دیتی تھیں ہر کام خود ہی کرتی تھیں اور ہر گھنٹہ بعد چائے لے آتی تھیں اور بات کئے بغیر میرے سامنے رکھ کر چلی جاتی تھیں اور جب تک میں کمرہ میں کام کرتا رہتا تھا یہی سلسلہ جاری رہتا تھا ۔اگر میری بیوی اس طرح میری مدد نہ کرتیں تو میں اپنے علمی کاموں کو اس طرح انجام نہیں دے سکتا تھا وہ میرے تمام کاموں میں شریک تھیں لہٰذا میں اسی وجہ سے غمزدہ ہوں، آخر میں ان کی محبتوں کو کیسے بھلا سکتا ہوں؟ مرحوم علامہ یہ بیان کر رہے تھے اور رو رہے تھے۔

علامہ طباطبائی جیسا مفکر اپنی اتنی عظیم کتاب ''تفسیر المیزان'' کو اپنی بیوی کے احسان اور ان کے ایثار وفداکاری کا نتیجہ بتا رہے ہیں، کیونکہ انہوں نے گھر کا نظام ہوشیاری کے ساتھ صحیح طریقہ سے چلایا اگر ان کی بیوی ایک اچھی خاتون نہ ہوتیں تو علامہ طباطبائیؒ یہ کام کیسے انجام دے سکتے تھے۔ بے شک یہ خاتون علامہ کے ہر کام میں شریک ہیں دنیاوی اعتبار سے بھی اور اخروی ثواب کے اعتبار سے بھی میں نے ایک جلسہ میں علامہ طباطبائیؒ کے فضائل بیان کرتے ہوئے ان کے اسی قصہ کو بیان کیا تھا اور کہا تھا کہ ہمیں چاہئے کہ ہم علامہ کی اہلیہ کی قدر پہچانیں۔، اللہ دونوں پر رحمت نازل کرے (آمین)۔

واقعاً گھر داری کوئی سادہ کام نہیں ہے بلکہ یہ ایک ہنر اور فن ہے اور اس ہنر کو ہر عورت نہیں انجام دے سکتی، مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے سماج میں گھر داری کی قدر و قیمت نہیں پہچانی گئی ہے، لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس کام کی طرف تعلیمی حیثیت سے

دیکھیں اوراس کے لئے خصوصی تحقیق کریں اوراس کی تعلیم پر توجہ دیں مثلاً ہمارے کالجوں میں گھر داری کے بارے میں باقاعدہ تعلیم دی جائے اورلڑکے ،لڑکیاں دونوں ہی اس موضوع کو پڑھیں۔ جیسا کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سی عورتیں یہ چاہتی ہیں کہ وہ اچھی طرح گھر داری کریں، لیکن انہیں اس کا طریقہ نہیں معلوم ہے میں اس بات سے پوری طرح متفق ہوں کہ ہمارے کالجوں، یہاں تک کہ یونیورسٹیوں میں بھی یہ تعلیم دی جائے تا کہ تمام جوان لڑکے اورلڑکیاں اس مسئلہ میں صاحب نظر اور ماہر ہوسکیں۔ جیسا کہ پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ بہتر یہ ہے کہ لڑکا اورلڑکی شادی سے پہلے گھر داری اور مشترکہ زندگی سے متعلق ضروری باتوں کے بارے میں ایک یا دو مہینہ کی ٹریننگ حاصل کریں تا کہ ان کے اختلافات کم سے کم ہو جائیں اور وہ اپنی صلاحیتوں اور وسائل کا صحیح طریقہ سے فائدہ اٹھا سکیں۔

عورتیں کسی کام کا انتخاب کرنے میں (چاہے گھر کے کام ہوں یا باہر کے) اپنے معیار کو مدنظر رکھیں اور اپنی شان ومنزلت سے واقفیت پیدا کریں مثلاً گھر کے اندر بھی یہ بات عورت کی مصلحت کے برخلاف ہے کہ وہ بھاری یا پست کاموں کو انجام دیں۔ خود حکومت کو بھی اس کا دھیان رکھنا چاہئے کہ وہ عورتوں کے لئے سہولت مہیا کرے تا کہ اس سے عورتوں کو فائدہ حاصل ہو۔

بعض عورتوں کو بڑے بڑے کام انجام دینا زیادہ پسند ہے لہٰذا اگر ان سے کہا جائے کہ ان کاموں کو انجام دینے میں ان کی بھلائی نہیں ہے تو وہ اسے اپنی توہین سمجھتی ہیں۔ شاید یہ ان پابندیوں کے افراط کا عکس العمل ہے جن میں پہلے عورتوں کو جکڑ دیا جاتا تھا اسی لئے عورتیں ایسے کام کو اچھا سمجھتی ہیں جو مردوں جیسے ہوں۔

لیکن ہم نے جو حدود بیان کئے ہیں وہ عورت کو حقیر سمجھنے یا انہیں ذلیل بنانے کے لئے

نہیں ہیں اور نہ ہی اس کی وجہ یہ ہیں کہ وہ عورت ایک ناقص اور کمزور مخلوق ہے بلکہ اس کا یہ مقصد ہے کہ بعض کام عورتوں کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے اس کے لئے زیادہ بہتر ہیں۔ اگر عورت اس بات کے لئے تیار ہے کہ وہ ہر سختی کو برداشت کر لے گی مثلاً اگر وہ ریل کے انجن بنائے تو اسے اس کا اختیار ہے اور یہ حرام بھی نہیں ہے لیکن اس سے بہتر بھی کچھ کام ہیں جنھیں وہ انجام دے سکتی ہے اور وہ کام خود اس کے اور سماج کے لئے بھی بہتر ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ زمانہ میں عورتوں پر اتنی پابندی تھی کہ جو کام ان کے لئے مناسب تھے انہیں ان کے انجام دینے سے بھی روک دیا جاتا تھا اور اسی وجہ سے ان کے اندر یہ عکس العمل پیدا ہو گیا اور بعض عورتوں نے یہ کہہ دیا کہ ہم بھی ایسے کام کر سکتے ہیں۔ اس مشکل کو دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عورتوں کے کاموں کو واقعاً اہمیت اور قدر و قیمت عطا کریں مثلاً گھر داری کے کام کے بارے میں ثقافتی اور تہذیبی سطح پر تحریک چلائیں اور خانہ داری کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اس کی تعریف کے ساتھ اس کام کا احترام بھی کیا جائے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جس کی طرف ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ مرد عورتوں کے کام کی قدر و قیمت کو پہچانیں یعنی وہ اسے اس طرح عملی بنا سکتے ہیں کہ اپنی آمدنی میں سے عورتوں کا حق انہیں کے سپرد کر دیں تا کہ عورتیں اپنی شخصیت اور امنیت کا احساس کریں اور کسی مناسب کام میں اپنی ذلت یا اسے اپنی شان کے خلاف نہ سمجھیں۔

ایسے سخت کام عورت کے لئے مناسب نہیں ہیں اور اس کے اوپر ان کا کیا اثر پڑتا ہے اس کے بارے میں ہم مختصر طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ عورت کے لئے بیحد مشکل ہے کہ وہ سخت حالات میں یا مشکل کام انجام دینے کے بعد اپنے نسوانی صفات لطافت اور روحی نزاکت کو

محفوظ رکھ سکے اور گھر کے اندر یا بچہ کی تعلیم وتربیت میں جس سکون واطمینان کی ضرورت ہوتی ہے ان سخت کاموں کے باوجود اسے باقی رکھ سکے۔

یہی وجہ ہے کہ جن کاموں میں زیادہ زحمت ہوتی ہے اگر انہیں مرد ہی انجام دیں تو یہی بہتر ہے کیونکہ ان کی قوت برداشت زیادہ ہوتی ہے اور جب ان میں سے ہر ایک اپنے جذبہ اور صفت کے مطابق کسی نہ کسی کام کو انتخاب کرلے گا تو پھر وہ ایک دوسرے کی مدد اور مشورہ سے بڑے بڑے کاموں کو انجام دے سکتے ہیں۔ یعنی سماج کو آگے بڑھانے میں اگر چہ سبھی حصہ دار ہیں مگر عورت ایک لحاظ سے اور مرد دوسرے لحاظ سے۔

اگر عورت کو اس کے اعتبار سے مناسب وسائل دے دئے جائیں اور اس کی حوصلہ افزائی کی جائے کہ وہ کسی خاص فن میں مستقل ہو جائے تو یہ اس کی شخصیت کو اجاگر کرنے کے لئے بہتر ہے ان کاموں کے مقابلہ میں جو اس کے لئے بہتر نہیں ہیں۔ اگر چہ میں ان کاموں سے منع نہیں کرتا لیکن اس سلسلہ میں حوصلہ افزائی کرنا بھی ضروری نہیں ہے اگر عورتوں کے اچھے کاموں کی قدردانی ہو اور ان کا شکریہ ادا کیا جائے اور انہیں اہمیت دی جائے تو وہ خود اس فکر کو چھوڑ دیں گی مثلاً اگر کوئی عورت سیاسی کاموں میں حصہ لے سکتی ہے مثلاً پارلیمنٹ کی ممبری کا کام اچھی طرح کر سکتی ہے تو وہ ثقافتی کام بھی اچھی طرح انجام دے سکتی ہے جو شاید موثر بھی ہو البتہ اس میدان میں بھی بعض کام ایسے ہیں جو مومن عورتوں کے لئے مناسب نہیں ہیں اور عورتوں کو ان کی طرف راغب نہیں کرنا چاہئے۔

سوال: عورتیں مختلف فنوں میں کس طرح حصہ لے سکتی ہیں؟

جواب: عورتوں کے لئے ممکن ہے کہ وہ مختلف قسم کے فنوں میں حصہ لے سکیں کیونکہ وہ

اس کی باقاعدہ صلاحیت بھی رکھتی ہیں۔لیکن کیونکہ یہ فن مختلف قسم کے ہوتے ہیں لہٰذا بعض شعبوں میں تو ان کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے مثلاً پینٹنگ، کتابت، ٹائپنگ، کمپیوٹر وغیرہ لیکن بہت سے کام ایسے ہیں جو کبھی کبھی عورتوں کے لئے مشکل کھڑی کر دیتے ہیں جیسے: فلم یا ڈراموں میں ایکٹینگ کرنا اور کئی لاکھ آدمیوں کے سامنے یہ کام انجام دینا اور اس سے کبھی کبھی ان کے گھریلو زندگی کا استحکام خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ میں نے بہت سی جگہوں پر یہ دیکھا ہے کہ ایسے لوگوں کی مشترکہ زندگی کی نوبت بالآخر طلاق تک پہنچ جاتی ہے۔ جیسا کہ فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والے بعض حضرات کبھی کبھی مجھے فون کرتے ہیں اور اس طرح کی مشکلات کے لئے راہ حل پوچھتے ہیں، میں یہیں پر عورتوں سے تاکید کرتا ہوں کہ اگر چہ ان کے شوہر اس بات سے راضی ہوں کہ وہ اس دنیا میں قدم رکھیں تب بھی انہیں اپنے شوہر کے نفسیات کا خیال رکھنا چاہئے اور اسٹیج پر ایسے کام انجام نہیں دینے چاہئیں کہ جن سے ان کے اندر بھی حساسیت پیدا ہو جائے کیونکہ اگر شوہر راضی نہ رہ سکا تو ایک طرف تو مشترکہ زندگی کا شیرازہ بکھر جائے گا اور دوسری جانب بچے ماں کے بغیر رہ جائیں گے۔ بہر حال اُسی طرح کے فن اور ثقافتی کاموں میں زیادہ توجہ ہونا چاہئے کہ جن میدان میں عورتیں بھی فائدہ اٹھا سکیں اور ان کے لئے اخلاقی اور گھریلو مشکلات بھی پیدا نہ ہوں۔

ہمارے زمانہ میں ان فنوں کی طرف رغبت خاص طور سے ڈرامہ بنانے کا شوق جوانوں میں اور خصوصاً لڑکیوں میں کچھ زیادہ ہی عام ہو گیا ہے۔ یعنی ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایسا کام ہے کہ جس کا نشہ بڑھتا ہی جا رہا ہے اور اس کے بہت زیادہ شوقین موجود ہیں۔ دوسری طرف یہی ہماری کمزوری بھی ہے کیونکہ اس فن کے ذریعہ نقصانات پہنچنے کے بہت زیادہ امکانات ہیں کیونکہ اسی کی وجہ سے کبھی کبھی ایسے کاموں کی جگہ بدنام ہو جاتی ہے

تو یہ ایک فطری بات ہے کہ دیندار اور متدین افراد اس کی طرف شک کی نگاہ سے دیکھیں اور اس کام کی طرف کم توجہ دیں جس کی بنا پر ایسے فن اور ثقافتی میدان متدین افراد سے خالی ہو جائیں اور یہ ایک بڑی کمزوری ہے۔ خاص طور سے ایسے دور میں کہ جب مقابلہ آرائی ہو رہی ہو تو پھر ہم دوسرے لوگوں کے مقابلہ بالکل کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔

ہمیں بھی فلم، سنیما اور ٹی وی کی ضرورت ہے اور کیونکہ ہم مسلمان ہیں لہٰذا ہمیں یہ چاہئے کہ اپنے مثبت فنوں کا دفاع کریں۔ مغربی ممالک میں بہت سی چیزوں کو حقیر بنا دیا گیا ہے۔ عزت ایک انسانی صفت ہے ہمیں ایسا کام کرنا چاہئے کہ جو ہماری ضرورتوں کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری انسانی صفات کو بھی محفوظ رکھ سکے۔ اسلامی قوانین پر عمل کرنا بہت موثر ہے اور اس سے حساسیت کم ہو جاتی ہے مثلاً اگر اخلاقی مسائل اور پردہ کا دھیان رکھا جائے اور بلاوجہ نہ ہنسا جائے نیز محرم اور نامحرم کا خیال رکھا جائے تو واضح سی بات ہے کہ ایسے کردار پیش کرنے میں کوئی خرابی نہیں ہے اور نہ ہی اس سے گھر اور سماج پر غلط اثرات پڑیں گے یعنی اگر اخلاقی حدود کی پابندی کی جائے تو یہ خود اداکاری کرنے والوں کے لئے بھی بہتر ہے اور سماج کے لئے بھی مفید ہے۔ اداکاری کرنے والے یہ بالکل نہ سوچیں کہ جو ان کے دل میں ہے وہی دیکھنے والے بھی سمجھ رہے ہیں، بلکہ دیکھنے والے تو تمام چیزوں کو دیکھتے ہیں اور ان کی نگاہ ایک سین کی ہر چیز پر رہتی ہے، ایکٹنگ کرنے والے مردوں اور عورتوں کی معقول اور بے عیب ایکٹنگ، اسے دیکھنے والے لڑکوں اور لڑکیوں کو یہ سبق دیتی ہے کہ تم بھی ایسا ہی کرو اور اگر یہ عورت اور مرد کوئی ناروا یا غلط حرکت انجام دیں تو بھی وہ سماج کو ایک آئیڈیل دیتے ہیں کہ تم بھی ایسا ہی کرو اور اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اپنی ثقافتی ذمہ داری ادا کریں اور دوسروں پر اس کا اچھا اثر ہو تو ہمیں یہ جاننا

چاہئے کہ فلم بنانا اور ڈرامہ یا سیریل پیش کرنا ایک بہت نازک کام ہے، حتی کہ اس سے کہیں زیادہ کہ جو ہم سوچتے ہیں۔

کبھی کبھی اداکار حضرات اس بات کی طرف توجہ نہیں کرتے اور وہ فقط یہ چاہتے ہیں کہ ان کا سیریل یا فلم، ناظرین کے لئے دلچسپ ہو۔ جب کہ اگر وہ ان نکات کا دھیان رکھیں تو اخلاقی مسائل کے اعتبار سے سماج کی بہت مدد کر سکتے ہیں۔

یہ ایک فطری بات ہے کہ فلموں میں ہمیں منفی کام انجام دینے کی بھی ضرورت پڑتی ہے اور اخلاقی یا فقہی مسائل پر عمل کرنے کی وجہ سے اداکاری کرنے والوں کے سامنے رکاوٹ آجاتی ہے اس سے اس کے ہاتھ پیر بندھ جاتے ہیں، یعنی اداکاری کرنے والا مجبور ہوتا ہے کہ ایسی چیزوں کا مظاہرہ کرے جو اس کی شخصیت کے شایان شان نہیں ہیں، حتی کہ کبھی اس حد تک پھوہڑپن کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ معمولی، حتی معیار سے گرے ہوئے کرداروں کی ایکٹنگ برقع یا نقاب پہن کر کی جاتی ہے اور اچھے معیاری کرداروں کو برقع یا عبا کے بغیر پیش کیا جاتا ہے اس کے لئے خاص دقت نظر اور بنیادی طور پر صحیح حکمت عملی کی ضرورت ہے۔

یہاں پر ہماری تاکید یہ ہے کہ حتی الامکان مثبت پہلوؤں پر نظر رکھی جائے کیونکہ منفی پہلو نہ چاہتے ہوئے اثر انداز ہوتے ہیں اگر چہ شاید فلم بنانے والا منفی کرداروں اور پہلوؤں پر تنقید کرنا چاہتا ہو لیکن بعض دیکھنے والے انہیں منفی پہلوؤں کو اپنا آئیڈیل بنا لیتے ہیں بعض لوگوں کا مزاج ایسا ہے کہ جب فلم میں کسی ہیرو کو گالیاں دیتے ہوئے دیکھتے ہیں یا اس کی زبان سے خراب الفاظ سنتے ہیں تو وہ بھی انہیں الفاظ کو یاد کر لیتے ہیں اور اس کی نقل کرتے ہیں اور اس کو اپنا آئیڈیل بنا لیتے ہیں چاہے آپ کا مقصد ان پر تنقید کرنا ہی

ہو۔اگر ہم دو اچھی اور برے کرداروں کو دکھائیں تو کچھ افراد اچھے آدمی کی طرف رغبت پیدا کریں گے اور انہیں اپنا آئیڈیل بنائیں گے اور بعض اپنے مزاج کی بنا پر اس برے فلمی کرداروں سے رغبت پیدا کرلیں گے اور اسے اپنا آئیڈیل قرار دیں گے کہ جس کی ہم مذمت کرنا چاہتے ہیں۔اسی لئے میری تاکید یہ ہے کہ منفی پہلوؤں کو صرف تا حد ضرورت ہی دکھایا جائے۔

سوال : عورتیں اگر سیاسی کاموں میں حصہ لیں تو اس کے بارے میں آپ کا کیا نظریہ ہے؟

جواب: سیاسی کاموں میں عورتوں کی شرکت کا مہم اثر یہ ہے کہ عورتوں کے اجتماعات بھی سماجی اور قومی حکمت عملی تیار کرنے کے لئے مفید ہیں انقلاب کے زمانہ میں اور انقلاب کے بعد دوسرے کاموں میں مثلاً جنگ اور ووٹنگ کے وقت، بڑی تعداد میں عورتوں کی شر کت سے یہ ثابت ہوا کہ بعض کاموں میں عورتوں کا اثر بہت زیادہ ہے۔جیسا کہ اگر کسی الکشن میں کامیاب ہونے والے کے ووٹوں کا حساب لگایا جائے تو دیکھنے کو ملتا ہے کہ عورتوں نے ہی متحد ہو کر اسے جتانے میں حصہ لیا ہے، عورتیں صدر مملکت کے انتخاب میں بہت اہم کردار ادا کرسکتی ہیں حتی کہ جسے مرد لانا چاہتے ہیں وہ اس کے بجائے کسی اور کو وزیر اعظم یا صدر مملکت بنوا سکتی ہیں۔اس کام کو چھوٹا اور معمولی نہ سمجھیں۔اسلامی ممالک کی پارلیمنٹ میں بھی عورتوں کے لئے ایم پی ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے عورتیں زیادہ شرکت کریں اب تک عورتوں کی نمائندگی پارلیمنٹ کی کرسی کے اعتبار سے بہت اچھی رہی ہے لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ یہ کس حد تک فعال ہیں اگر عورتیں اپنے لئے کسی ایسے نمائندہ کو لا

سکتی ہوں جو پارلیمنٹ میں با اثر اور فعال ہو تو یہ بہت اچھی بات ہے کیونکہ پارلیمنٹ میں سب نمائندے فعال نہیں ہوتے ہیں بلکہ بہت کم فعال رہتے ہیں اور اگر اس کم تعداد کو عورتیں اپنے فعال اور خوش فکر عورت نمائندہ کے ذریعہ پورا کرسکتی ہیں تو یہ ان کے حقوق کے دفاع کے لئے بہت موثر ہے، اگر چہ اب تک بہت سے مرد عورتوں کے حق کا دفاع کرتے آئے ہیں یہاں تک کہ وہ خود عورتوں سے زیادہ ان کے حق کا دفاع کرتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ عورتوں کی انجمن یا پارٹی بنانے کا ہے اور یہ ایک اچھا کام ہے کیونکہ جب وہ پارٹی بنائیں گی تو اچھی طرح کام کرسکتی ہیں مخصوصاً اگر اس پارٹی کو پورے ملک میں پھیلا دیں تو وہ اچھے امیدوار کا انتخاب کرسکتی ہیں اور اپنی ضروریات کو ممبران پارلیمنٹ کے ذریعہ بہتر انداز سے طلب کرسکتی ہیں، یہ بھی موثر ہے اور مردوں کو اس کے بارے میں بہت سوچنا چاہئے، میرا نظریہ ہے کہ عورتوں کی پارٹی کو بہت زیادہ دقت سے دیکھنا چاہئے اور اولاً عورتیں صرف اپنی صنفیت اور جنسیت کے بارے میں فکر نہ کریں، یعنی فقط اس فکر میں نہ رہیں کہ اپنے حقوق کا دفاع کریں کیونکہ اس سے حد بندیاں پیدا ہوں گی، دوسرے یہ کہ عورتوں کی کمیٹی، واقعی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے پورے ملک میں پھیلتی جائے اور عورتیں یہ جان لیں کہ کس کا انتخاب کررہی ہیں اور تمام اقتصادی، ثقافتی، دینی اور ملکی مسائل کو مدنظر رکھیں۔ اگر عورتیں اپنے مفادات کی حدوں میں محدود نہ ہوں اور فقط اپنے لئے نہیں بلکہ پورے سماج اور ایران کے لئے کام کریں تو یہ زیادہ اثر انداز ہوگا، اس پارٹی سے انہیں قدرت ملے گی اور مردوں کی نظر میں ان کی اہمیت اور زیادہ ہوگی۔

سوال: کیا عورتیں قاضی اور حاکم ہوسکتی ہیں؟

جواب: قضاوت اور حکومت (عورتوں کا حاکم ہونا) اور اس طرح کے دوسرے

موضوعات کا تعلق فقہی مسائل سے ہے اور فقہی کتابوں میں اس کے بارے میں بحث ہوئی ہے۔ فقہاء اس کے بارے میں مختلف نظریہ رکھتے ہیں بعض اسے جائز، بعض حرام اور بعض مکروہ قرار دیتے ہیں۔ پہلے تو یہ کہ اس بات پر توجہ رکھنا چاہئے کہ یہ ایک تقلیدی موضوع ہے اور ہماری تہذیب اور تمدن کا تعلق تقلیدی تہذیب سے ہے، لہٰذا جو تقلیدی مسائل ہیں ان میں ہمیں مرجع تقلید کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور قطعی نظریہ کو ان سے پوچھنا ہوگا۔ اسی بنا پر اگر کوئی مقرر اپنی تقریر میں یہ کہے یا کوئی نامہ نگار اپنے اخبار میں یہ لکھے کہ یہ کام جائز ہے یا نہیں تو اس سے لوگوں کو پریشانی ہو جاتی ہے، بالآخر ہر کام میں اس کے ماہر کی ضرورت ہوتی ہے اور ایسے مسائل کے ماہر فقہاء کرام ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فقہائے کرام سے میری خواہش یہ ہے کہ ہمارا زمانہ گذشتہ زمانے سے مختلف ہے اور اس میں اساسی تبدیلی پیدا ہو چکی ہے۔ ایران دوسرے ملکوں سے الگ نہیں ہے، اسی طرح عورتیں سماج کے دوسرے لوگوں سے الگ نہیں ہیں ہم عورتوں کو پہلے زمانہ کی طرح نہیں رکھ سکتے، ہمارے سماج کے لوگ میڈیا کے ذریعہ لوگوں کے حالات اور افکار سے واقف ہوتے رہتے ہیں اور ان کی توقع زیادہ ہوگئی ہے، لہٰذا میں فقہائے عظام سے یہ عرض کروں گا کہ پوری دنیا کو دیکھتے ہوئے اور کھلے دل سے عورتوں کے مسائل کو دیکھیں اور یقینی دلائل کے ساتھ ان مسائل کو واضح کریں تا کہ غیر ذمہ دار اور غیر صالح لوگوں کی رائے کی ضرورت نہ پڑے، اور اگر دوسرے دانشمند فقہی اصولوں سے واقف ہوں اور اس پر عمل کرتے ہوں تو ان مسائل کے بارے میں وہ بھی اپنا نظریہ بیان کر سکتے ہیں۔ شاید اس قسم کی بحث فقہاء اور مرجع تقلید کے لئے بھی فائدہ مند ثابت ہو اور ان کے اجتہاد میں یہ بے اثر نہ ہوگی لیکن بہر حال آخری فیصلہ مرجع تقلید ہی کرے گا اور ثقافتی یا فقہی مسائل میں مرجعیت کے احترام کی جو حدیں ہیں انہیں کسی طرح ٹوٹنا نہیں چاہئے۔

عورت اور مرد کے مشترکہ فرائض

سوال: عورت اور مرد کے مشترکہ حقوق کیا ہیں؟

جواب: اسلام عورت اور مرد کے درمیان اس اعتبار سے کہ دونوں انسان ہیں کسی فرق کا قائل نہیں ہے اور وہ اس بات کو اس قدر واضح سمجھتا ہے کہ کسی بھی آیت اور روایت میں اس ضرورت کو محسوس نہیں کرتا کہ اس بات کی صراحت کی جائے، اسی بنا پر قرآن میں جس جگہ بھی یا روایات میں کوئی بھی بات انسان سے خطاب کر کے کہی گئی ہے اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں اسی زمانے میں یہاں تک کہ متمدن دنیا میں بھی یہ مسئلہ سامنے آیا کہ کیا واقعاً عورت انسان ہے یا نہیں اور اگر ہے بھی تو پوری یا آدھی لیکن اسلام کے لئے اصلاً یہ بات قابل ذکر نہیں تھی بلکہ یہ ایک فرعی موضوع ہے۔

تقریباً ایک صدی سے حقوق بشر کے دفاع کا چرچا پوری دنیا میں ہے البتہ اسلام نے شروع سے ہی اس پر توجہ رکھی ہے اور اس نے کچھ حقوق معین کئے ہیں، میں یہاں پر عورت کے حقوق کے بارے میں کچھ بیان کروں گا کہ جو وہی حقوق ہیں جنہیں حقوق بشر کے نام سے بیان کیا گیا ہے اور وہ عورت اور مرد کے درمیان مشترک ہیں چنانچہ یہاں پر ہم ان

میں سے کچھ اہم ترین حقوق کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

۱) زندگی کا حق: ایک انسان ہونے کی بنا پر ہر انسان کو زندگی گذارنے کا حق ہے اور کوئی بھی بغیر قانونی اجازت کے اس سے اس کا یہ حق نہیں چھین سکتا ہے۔

۲) حق آزادی: ہر انسان، خواہ مرد ہو یا عورت آزاد خلق ہوا ہے اور یہ آزادی اس کے خمیر میں رکھی گئی ہے لہٰذا کوئی شخص یہ حق نہیں رکھتا کہ اس سے اس آزادی کو چھین لے، مگر یہ کہ یہ آزادی دوسروں کے لئے مشکل پیدا کردے یا وہ اس کی اور سماج کے دوسرے لوگوں کی مصلحت کے برخلاف ہو۔

۳) خدا کی عطا کردہ نعمتوں سے استفادہ: کیونکہ انسان دنیا میں ہی زندگی گذارتا ہے اور اس کی کچھ ضرورتیں ہیں جیسے: پانی، ہوا، کھانا، لباس جیسی دوسری چیزوں سے فائدہ اٹھانا اور کانیں، جنگل، دریا، یہ تمام خزانے بھی لوگوں کے لئے ہیں اور انسان فطرتاً اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس سے استفادہ کرے اور کوئی اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے سے کسی کو روکے مگر یہ کہ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانا دوسرے کے حقوق کی پامالی ہو اور رہائش کے حق کا بھی یہی حال ہے یعنی اس اعتبار سے کہ ہر انسان گھر کا محتاج ہوتا ہے تو گھر کی فراہمی نیز اپنے لئے وطن اور گھر مہیا کرنا، ملک یا اپنے شہر یا کسی دوسری جگہ اس کا ایک مسلم حق ہے البتہ یہ فطری ہے کہ یہ تمام چیزیں ایک نظام اور قانون کے تحت انجام پائیں تاکہ سماجی زندگی کی ضروری اور عمومی مصلحت کے مطابق ہوں۔

ان تمام مسائل میں بحث یہ ہے کہ انسان اپنی انسانی فطرت اور ابتدائی ضرورت کے تحت ان کا حقدار ہے اور اگر ان حقوق سے فائدہ اٹھانا دوسرے کے حقوق اور سماج پر ظلم اور تجاوز بن جائے تو پھر یہ حق محدود ہو جاتے ہیں مثلاً اگر کوئی دوسروں کی زندگی کا دشمن ہو

جائے یا اس کی وجہ سے سماج کی امنیت خطرہ میں پڑنے کا ڈر ہو تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اب بھی اس کا حق حیات محترم اور محفوظ ہے بلکہ دراصل اس نے اپنے اس حق کو خود اپنے ہاتھ سے کھو دیا ہے اور شہری قوانین کہ جن کا رتبہ انسانی اور سیاسی حقوق کے بعد ہے وہ اس کے لئے کوئی حکم معین کریں گے۔

۴) علاج کروانے کا حق: عورت اور مرد ایک انسان ہونے کے اعتبار سے یہ حق رکھتے ہیں کہ اپنی زندگی کی حفاظت اور سلامتی کے لئے صحیح وسالم فضا اور ماحول سے فائدہ اٹھائیں اور بیماریوں کو دور کرنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان کے لئے دستیاب ہوں۔ یہ سب کا فطری حق ہے اور کسی کو اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے کا حق نہیں ہے۔

۵) کام کرنے کا حق: اپنے ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے کام کرنا ضروری ہے لہٰذا مرد اور عورت اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے کام کریں اور کام کرنے کا نتیجہ خود اس شخص کا حق ہوگا جو کام کر رہا ہے اسی لئے جو دوسرے شخص کے لئے کام کر رہا ہے اسے عادلانہ مزدوری ملنی چاہئے، عادلانہ مزدوری یعنی جیسا کام ہو ویسے ہی مزدوری وصول کرے، اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ کام کرنے والا مرد ہے یا عورت، کالا ہے یا گورا کیونکہ ہر کام کرنے والا اپنے کام کے مطابق پیسہ وصول کرنے کا حق رکھتا ہے تو ہم کسی سے اس طرح نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ تم عورت ہو تو تمہیں تمہارے کام کے مقابلہ میں کم مزدوری دی جائے گی۔ اسلام اس بات کا بالکل مخالف ہے۔ اسلام کی نگاہ میں اگر عورت گھر میں یا گھر کے باہر کام کر رہی ہے تو اتنی ہی مزدوری لینے کا حق رکھتی ہے جو ایک مرد کو دی جاتی ہے، میرے نظریہ کے مطابق اس اعتبار

سے ہمارے سماج میں عورتوں پر ظلم ہوتا ہے۔

یعنی معمولاً عورتوں کی محتاجی سے فائدہ اٹھا کر ہی انہیں نوکری دی جاتی ہے اور عادلانہ مزدوری کی جگہ انہیں مردوں سے کم مزدوری دی جاتی ہے۔ افسوس کہ مغربی ممالک میں بھی یہ بات کاملاً رواج پیدا کر گئی ہے اور عورت سے ایک سستے نوکر کی طرح فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ عادلانہ حقوق سے مراد برابر کا حق نہیں ہے، بلکہ ہر ایک کو اس کے کام کے اعتبار سے مزدوری دی جانا چاہئے ممکن ہے ایک کام کرنے والی عورت ایک مرد کے برابر یا اس سے زیادہ کام کرتی ہو تو اسے اتنی ہی مزدوری بھی دینا چاہئے، عورت ہونا ایک معیار نہ ہو بلکہ خود کام، حالات اور اس کے فوائد پر نظر رکھی جائے۔

ایک پر شفقت یاددہانی

اِس زمانہ میں سینکڑوں شعبوں میں پڑھائی مکمل کرنے والے طالب علم موجود ہیں جن میں اکثر عورتیں ہیں کہ جن کا رجحان نوکری کی طرف ہوتا ہے اور عہدہ دار حضرات بھی عورت اور مرد کے حقوق کی برابری کے بہانہ اور یہ کہ عورتیں کم مزدوری پر راضی ہو جاتی ہیں نیز اپنے بڑے عہدہ داروں کی باتوں کو مانتی ہیں اسی لئے وہ انہیں بے کار نوجوانوں پر ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ آج کل نوکریوں کی کمی ہے اسی لئے ہر دن بے کار نوجوانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے اور عورتیں بھی اس پر راضی نہیں ہیں کہ بے کار لڑکوں سے شادی کریں اس لئے ہر روز ایسے نوجوان مردوں اور عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے جو شادی کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اسی لئے شادی کرنے کی عمر میں بھی اضافہ ہو گیا ہے اور ان میں سے بہت سے تو شادی ہی نہیں کرتے اور گھریلو زندگی اور بچوں کی تربیت سے

محروم رہ جاتے ہیں اور آخری عمر تک اکیلے زندگی گذارنے پر مجبور ہیں، اکیلے زندگی گذارنا بہت سخت ہے اور اس کے دسیوں برے اثرات ہوتے ہیں ان حالات کی وجہ سے گھریلو اقدار کی بنیادیں واقعاً خطرہ میں ہیں۔ عہدیداروں کو اس مشکل کا کوئی حل سوچنا چاہئے ،عورتیں بھی یونیورسٹی میں پڑھنے اور کام کرنے کے ساتھ ساتھ وقت پر شادی کرنے اور گھریلو زندگی شروع کرنے سے غافل نہ رہیں لہٰذا وہ اس بارے میں مدد کریں، ورنہ مستقبل میں واقعاً شرمندہ ہونا پڑے گا۔

۶) ملکیت اور اپنے مال میں تصرف کا حق: جب کوئی انسان کام کرتا ہے تو وہ اپنی مزدوری کا مالک ہوتا ہے اور کسی دوسرے کو اس میں تصرف کا کوئی حق نہیں ہے مثلاً اگر عورت کام کرے اور اس کی مزدوری کو شوہر یا اس کا باپ لے لے تو یہ ظلم ہے، البتہ اگر وہ خود چاہتی ہو کہ مشترک زندگی گذارے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن کیونکہ مال اس کا ہے اور اسی کے لئے ہے، اس نے چاہے جس جائز راستہ سے اسے حاصل کیا ہو یعنی یا کام کرنے سے، یا میراث، بخشش یا دوسرے طریقوں سے اسے کوئی مال ملا ہو بہر حال خرچ کرنے کا حق بھی اسی کو ہے، عورت ہونے سے حق ملکیت اور مال خرچ کرنے کے معاملہ میں کوئی پابندی نہیں لگ سکتی ہے، لہٰذا اگر عورت کو کچھ مال ملے اور وہ اسے تجارت میں لگانا چاہے، کسی کو بخشنا چاہے، جمع کرنا چاہے یا راہ خدا میں دینا چاہے تو وہ ان تمام کاموں میں آزاد ہے البتہ بعض جگہوں پر مال خرچ کرنے کا حق نہ عورت کو ہے نہ مرد کو، مثلاً اگر کوئی اپنے سرمایہ کو جلانا چاہے یا حرام کاموں میں خرچ کرنا چاہے، یا ایسی راہ میں خرچ کرنا چاہے جو سماج کے لئے نقصان دہ ہو تو ان تمام چیزوں میں مال خرچ کرنا منع ہے۔ عورت اور مرد ہونے کے اعتبار سے ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

۷) امنیت کا حق: جو شخص سماج میں زندگی گذارنا چاہتا ہے چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اسے امنیت کی ضرورت ہے یعنی ایسے ماحول میں رہے جہاں اس کی جان، مال اور عزت وآبرو امان میں ہو اور کوئی بھی اس کا یہ حق یعنی اس کی جائز آزادی نہیں چھین سکتا، امنیت ہر انسان کی سب سے اہم خواہش ہے، عورت کی یہ ضرورت بھی اس کے گھر اور سماج میں پوری ہونی چاہئے یعنی اگر اس کی امنیت کو خطرہ درپیش ہو تو وہ اس بات کا حق رکھتی ہے کہ اپنے حق کے لئے عدالت سے مطالبہ کرے اور اگر سماج میں فتنہ وفساد پیدا نہ ہو تو وہ خود براہ راست اپنے حق کا دفاع کر کے اپنے اس حق کو حاصل کرے، عورت اور مرد میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ عورت بھی شکایت کر سکتی ہے اور شکایت کی تصدیق کے وقت اپنی شکایت کی تکرار کر سکتی ہے یا اس کے لئے وکیل بنا سکتی ہے یا خود عدالت میں بات کر کے، اپنے حق کا دفاع کرے۔ اگر اس کے لئے سفر یا کوئی اور کام کرنا پڑے تو اسے انجام دے نہ صرف یہ کہ اسلام نے عورت کو اس سے منع نہیں کیا ہے بلکہ صدر اسلام میں عورتوں کی سیرت خصوصاً حضرت فاطمہؑ کی سیرت اس بات کی تائید کرتی ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے اپنا حق لینے کے لئے اور اپنے دفاع کے لئے باقاعدہ تقریر فرمائی، بحث و استدلال کیا، مسجد پیغمبرؐ میں لوگوں کے ہجوم میں خطبہ دیا اور ارباب خلافت کو عوامی عدالت کے کٹہرے میں لا کر کھڑا کر دیا تا کہ ان سے اپنا حق لے سکیں۔ یہ واضح اور روشن مسائل ہیں جو اسلام میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اگر عورت یہ کہے ہمیں شرم آ رہی ہے، یا دوسرے لوگ کہیں کہ یہ بری بات ہے کہ عورت اپنے حق کا مطالبہ کرے۔ تو ہم کہیں گے کہ عورت کے لئے اپنے حق کا دفاع کرنا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرنا کیوں برا ہے؟ بلکہ حق تو یہ ہے تمام لوگوں کو عورتوں کی مدد کرنا چاہئے تا کہ وہ اپنے حق کو آسانی سے حاصل کر سکیں۔

۸) قانون زندگی کے سایہ میں قانون بنانے کا حق: قانون انسان کی سماجی زندگی کی ضروریات میں سے ہے لہٰذا قانون بنانے میں بھی عورت اور مرد دونوں حق رکھتے ہیں اور فطرتاً انہیں یہ حق ہے کہ اس قانون کے زیر سایہ زندگی گذاریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں امتیاز پیدا کرے مثلاً قانون بنانے میں عورت کو شرکت اور دخالت کا حق نہ دے یا کسی کو عورت ہونے کی وجہ سے کسی قانون کی حمایت سے روک دے۔

۹) حکومت میں مشارکت کا حق: ہر سماج کے لئے حکومت ایک قطعی اور ضروری چیز ہے اور قانون کے نفاذ کا مطلب یہ ہے کہ سربراہ حکومت سماج کے لئے ایک نظام معین کرے جس سے عورتیں اور مرد سب (اس کا باشندہ ہونے کے اعتبار سے) شرکت کرنے اور اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہوں تا کہ وہ حکومت میں قانون بنانے میں حصہ لے سکیں۔

فطرتاً ان کاموں کے مقدمات میں شرکت کرنا ہر ایک کا حق ہے، صنفی اور سیاسی کمیٹی بنانا، اجتماعات اور انجمنوں میں شرکت کرنا، انتخابات میں شرکت کرنا، یا ہر طرح کی سیاسی سرگرمیاں تمام لوگوں کا یکسان حق ہے جس میں عورتیں بھی شامل ہیں۔ عورتیں کمیٹی بنا سکتی ہیں اور اپنا حق یا اپنے ملک اور مرد اور عورت سب کے حق کا دفاع کر سکتی ہیں۔ وہ فقط اپنے امور کی فکر نہ کریں بلکہ مظلومین کے حق کی بھی فکر کریں اگر انہیں فکر رہے تو بہت کامیاب رہیں گی۔ مرد اور عورت کے بے جا مقابلہ اور حد بندی کو نہیں قبول کرنا چاہئے بلکہ عورتیں شرعی اور قانونی معیار کی رعایت کرتے ہوئے پورے سماج اور تمام انسانوں کے لئے کام کریں۔

۱۰) شوہر کے انتخاب کا حق: جس طرح مرد کا یہ حق ہے کہ وہ شادی بیاہ کر سکتا ہے

اسی طرح جب لڑکی کی عمر شادی کے لائق ہو جائے تو وہ بھی اس بات کا حق رکھتی ہے کہ اپنے لئے شوہر منتخب کرے، وہ شوہر کے انتخاب میں آزاد ہے اور کوئی شخص اس بات کا حق نہیں رکھتا کہ اسے شادی کرنے یا نہ کرنے کے لئے مجبور کرے، کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ کسی بھی لڑکی یا عورت کو کسی مخصوص شخص کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور کرے، نہ باپ، نہ ماں، نہ گھر والے اور نہ کسی دوسرے کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے شادی کرنے کے لئے مجبور کرے۔ ہر انسان اپنے شریک زندگی کے انتخاب کرنے میں کاملاً آزاد ہے اور کسی کو جبر و اکراہ کا حق حاصل نہیں ہے۔

۱۱) صاحب اولاد ہونے اور ان کی تربیت کرنے کا حق: صاحب اولاد ہونا ایک انسانی ضرورت اور فطری حق ہے اور ہر انسان اولاد کو اپنی نسل کی بقاء سمجھتا ہے۔ جس طرح مرد کو صاحب اولاد ہونے کا حق ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ صاحب اولاد ہو یعنی اگر کوئی مرد اپنی بیوی سے کہے کہ میں صاحب اولاد نہیں ہونا چاہتا ہوں تو اگر چہ یہ اپنے دل کی بات بیان کر رہا ہے لیکن یہاں عورت کے حق کو فراموش نہیں کرنا چاہئے اس لئے ملکی قوانین ایسے ہونے چاہئیں جو دونوں کے حق کو محفوظ کر سکیں اور بچوں کی تربیت کے بارے میں بھی ہر مرد اور عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہیں اپنے بچوں کی تربیت کریں، یہ ایک فطری خواہش ہے کہ جو مرد اور عورت دونوں کے اندر موجود ہوتی ہے، اسے گھریلو حقوق کے ضمن میں اور اچھی طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۲) سوچنے اور عقیدہ رکھنے کا حق: عورت عاقل ہے اور مرد بھی عاقل ہے یعنی عقل رکھنا اور غور و فکر سے کام لینا دونوں کی خوبی ہے، جب خدا نے یہ نعمت کسی کو دی ہو تو وہ اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کو بروئے کار لائے اور غور و فکر کرے اور یہ فطری بات ہے کہ

انسان اپنی روح کے مطابق ایک نظریہ اور عقیدہ تک پہنچتا ہے۔ اب یہ عقیدہ یا معنوی اور اخروی مسائل سے متعلق ہو یا اس جیسے دوسرے مسائل کے لئے ہو بہر حال انسان کا عقیدہ محترم ہے، خواہ وہ کسی بھی راستہ سے اس تک پہنچا ہو۔ ہاں دوسرے اس سے اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے عقیدہ پر تجدید نظر کرے، ان سے بحث کرے اور ان کے عقیدہ کو باطل کرے۔ لیکن کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ تم کیوں ایسا عقیدہ رکھے ہو؟ مثلاً کوئی خدا کو مانتا ہو تو اس سے دوسرا کہے تم کیوں خدا کو مانتے ہو؟ یا کسی شخص نے غور کیا، لیکن وہ ابھی وجود خدا کو قبول نہ کر سکا تو ہم اس پر سختی نہیں کر سکتے اس پر مقدمہ نہیں کر سکتے، یا اسے قید نہیں کر سکتے کہ تم کوئی عقیدہ کیوں اختیار نہیں کر سکے؟ اگر وہ عقیدہ اختیار کر لے تو ہمیں اس کے لئے استدلال پیش کرنا چاہئے تا کہ اس کی ہدایت کر سکیں اور اس سے یہ کہیں کہ اس طرح فکر کرو تا کہ تمہارا عقیدہ صحیح ہو جائے، لیکن اگر وہ آخر میں کہے: جو تم کہہ رہے ہو اس سے ہمیں یہ سمجھ میں آیا ہے، تو ہم صرف اس لئے، اس کو سزا نہیں دے سکتے کہ وہ کسی عقیدہ تک نہیں پہنچ پایا، یا اسے شک ہے۔

ہم یہی کہنا چاہتے ہیں کہ بعض لوگ اسلام میں مرتد کے حکم کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں اور اس کو عقیدہ کی آزادی کی مخالفت قرار دیتے ہیں، جسے انسان کے فطری حق کے عنوان سے سمجھا جاتا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ اگر ایک مسلمان کسی بھی بنا پر دین کی حقانیت یا ضروریات دین میں کسی چیز کے بارے میں شک کرے یا اس کو قبول نہ کر سکے تو آپ کس لئے اس سے حق حیات کو چھینتے ہیں؟ ہم مختصر طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس موضوع کا تعلق فطری حقوق سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق اجتماعی اور سیاسی حقوق سے ہے۔ جس طرح ہر انسان اپنا مستقل حق رکھتا ہے اسی طرح سماج بھی ایک حق رکھتا ہے جسے محفوظ رکھنا ضروری

ہے مثلاً صدر اسلام میں بعض کفار اپنے دوستوں کو حکم دیتے تھے کہ اسلام کو قبول کریں اور جب وہ مسلمان ہونے کے عنوان سے مشہور ہو جائیں تو اسلام کو چھوڑ دیں اور اس کو باطل بنا کر پیش کریں۔ یہ دشمنان اسلام کی طرف سے ایک چال تھی تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے ایمان کی بنیادوں کو کمزور کر سکیں اور مسلم سماج پر ایک نفسانی چوٹ لگا سکیں، اس حکم کا ایک سبب یہ وجہ بھی ہے۔

اگر کسی نے کوئی عقیدہ اپنا لیا تو وہ اس کے لئے محترم ہے، عورت اور مرد میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے لیکن اگر کوئی عقیدہ رکھنے سے آگے بڑھ کر عقیدہ کا اظہار کرنے لگے اور اس کے ذریعہ ان لوگوں کا عقیدہ خراب کر دے جن کا عقیدہ بھی محترم ہے، تو یہاں پر سماجی حقوق اور قوانین اس کی آزادی کے حدود کو معین کریں گے اور وہ اس کے لئے کچھ خاص پابندیاں لگا کر قانون بنائیں گے۔ تمام انسانی حقوق کی یہ خاصیت ہے کہ جب یہ حقوق عملی شکل میں سامنے آتے ہیں تو چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے بعض حقوق دوسرے حقوق سے ٹکرا جاتے ہیں اور یہ ٹکراؤ اجازت نہیں دیتا کہ وہ بسیط صورت میں سامنے آ سکیں بلکہ انہیں ایک خاص حالات اور مخصوص راستوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اس اصول کی روح مصالح عمومی کو مد نظر رکھتے ہوئے اساسی قوانین اور ملکی حقوق کے پیکر میں بھو کی جائے تا کہ ان قوانین کے زیر سایہ سب لوگ زیادہ سے زیادہ حقوق اور ممکن آزادی سے فائدہ اٹھا سکیں اور کسی کی آزادی دوسرے کی آزادی کو نہ چھین سکے۔

عقیدہ کی آزادی کا ایک مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اپنے دینی عقیدہ کے مطابق کسی خاص رسم یا عمل کو انجام دیتا ہے تو یہ اس کا حق ہے اور کوئی اس کے لئے رکاوٹ اور ممانعت پیدا نہیں کر سکتا ہے۔

۱۳) علم حاصل کرنے کا حق: ایک انسانی حق علم حاصل کرنا بھی ہے جس کے بارے میں ہم مفصل بحث کر چکے ہیں اور ہم نے یہ عرض کیا ہے کہ عورت علم حاصل کرنے میں آزاد ہے لہٰذا دوبارہ ان باتوں کی تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

۱۴) روحی اور معنوی کمال حاصل کرنے کا حق: کیونکہ انسان یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ روحی کمال اور عقلی ترقی حاصل کر سکے، لہٰذا مرد اور عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عالی درجات تک پہنچنے کے لئے کوشش کریں اور روحی بلندی اور نفسانی کمالات کی آخری منزلوں تک پہنچ جائیں۔ کسی کو اسے اس بات سے روکنے کا حق نہیں ہے۔

یہ ایک سرسری نظر تھی ان حقوق پر جو ہر عورت کے لئے ایک انسان ہونے کے اعتبار سے موجود ہیں اور سب کے لئے ان حقوق کو قبول کرنا ضروری ہے اور نہ صرف یہ کہ اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے بلکہ اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایک دوسرے کا ساتھ دیں اور مدد کریں۔ یعنی حکومت اور تمام لوگ اس حق کے ضامن ہیں لہٰذا وہ عورتوں کے لئے اس حق تک رسائی کا ذریعہ فراہم کریں۔

سوال: فطری اور اکتسابی حقوق کیا ہیں؟

جواب: انسان کے لئے ہم دو طرح کے حقوق بیان کر سکتے ہیں ایک فطری اور دوسرا اکتسابی حق، فطری حق وہ حق ہے کہ جن کی بنیاد اور سند خود انسان کی خلقت ہے اور ایسے قوانین بنانے کے لئے ہمیں کسی معاہدے اور قانون سازی کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر ''فطری صلاحیت'' ''ایک فطری حق'' کا سرچشمہ ہے اور اس کی علت یہ ہے کہ ایسے حقوق ہر انسان کے لئے یکساں اور مشابہ ہیں اور کوئی بھی انسان فطری طور پر دوسرے پر مسلط یا

کسی کا فرمانبردار اور مطیع بن کر نہیں آیا ہے اور انسانی زندگی کا نظام (طرز زندگی) فطری اور قہری نہیں ہے کام اور عہدہ یا فرائض قدرت نے نہیں بانٹے ہیں اسی بنا پر ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے اور انسان اپنی سرشت کی وجہ سے ان تمام باتوں کا حامل ہے اور جس طرح اس کو یہ حق دینے کی ضرورت نہیں ہے اسی طرح کوئی کسی دلیل کے بغیر کسی سے یہ حق چھین بھی نہیں سکتا ہے۔ ان حقوق میں رنگ اور ذات اور عورت یا مرد ہونا یا دوسرے تمام فرق اور امتیازات بے اثر ہیں، یہاں ذات پات اور جنس کا کوئی فرق نہیں ہے مثلاً علم حاصل کرنے اور شادی کرنے کا حق ایک ایسا حق ہے کہ جس کی سند خود انسان کی فطرت اور خلقت میں ہے اور اگر کوئی اس حق کو لوگوں کے لئے ثابت کرنا چاہتا ہے تو درحقیقت اس نے کوئی نئی بات نہیں کہی ہے بلکہ ایک واضح اور آشکار بات کو بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی اس حق کا منکر ہونا چاہتا ہے تو اس نے انسان کی فطرت اور خلقت کے برخلاف عمل کیا ہے۔

بنیادی نکتہ یہ ہے کہ انسان کے تمام فطری حقوق کا خیال رکھنا اور ان کا احترام ضروری ہے۔ اسی لئے بنیادی اور ملکی قوانین فطری حقوق کو نظر میں رکھتے ہوئے بنائے جائیں جو کسی بھی مرحلہ میں اس کے منافی یا اسے تخریب کرنے والے نہ ہوں۔

اگر قوانین اور بنیادی اصول وقواعد (کہ جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کر چکے ہیں) کے درمیان کوئی منافات نہ ہو تو مختلف حالات، مختلف زمانوں یا وقت وحالات کے مختلف تقاضوں کی وجہ سے ان کے درمیان میں تفاوت پیدا ہو سکتا ہے مثلاً ممکن ہے کسی ملک میں قانون کو اچھی طرح چلانے کے لئے اور تمام لوگوں کو ان کے فطری حقوق سے مساوی طور پر بہرہ مند کرنے کے لئے کچھ قوانین یا پابندیاں لاگو کر دی جائیں جیسے: رشتہ داروں کے درمیان شادی کی ممنوعیت، یا بڑھتی ہوئی آبادی پر روک لگانا یا عقد کے شرائط اور اس کا

رجسٹریشن جیسے قوانین ...وغیرہ عین ممکن ہے کہ یہ قوانین کسی ملک میں ایک طریقہ سے لاگو ہوں اور دوسرے ملک میں ان کا کوئی دوسرا انداز ہو۔ جب کہ وہ تمام لوگ جو مساوی حالات میں ان قوانین کے دائرہ میں آتے ہیں انہیں بطور مساوی ان قوانین سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہے اور اس کے استثناءات کو بھی قانون معین کرے گا۔

دوسری بات جو قوانین بناتے وقت دھیان رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ اگر اس سے دوسروں کے حقوق ضائع ہو رہے ہوں تو بھی قانون اسے بیان اور اسے مدنظر رکھے مثلاً اگر کسی کے اندر کوئی خطرناک بیماری ہے تو قانون اس کو اس وقت تک شادی سے منع کرے گا جب تک وہ ٹھیک نہ ہو جائے۔ اس فطری حق سے محرومی کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اس حق کو حاصل کرنا درواقع بہت سی اچھائیوں سے دور ہونے کے خطرہ کے مساوی ہے اور جس میں بعض حقوق سے بھی محروم ہونا شامل ہے لہٰذا یہاں یہ بات ترجیح رکھتی ہے کہ اکثریت کے جائز حقوق کو محفوظ رکھنے، نیز انہیں نقصان سے بچانے کے لئے ایک شخص کے حقوق اور آزادی کو محدود کر دیا جائے اور ان پابندیوں کو معین کرنے کا حق قانون کے پاس ہے، جو انفرادی حقوق اور آزادی کا احترام کرتے ہوئے انہیں زیادہ سے زیادہ مہیا کرتے ہوئے سماج کے حق کو محفوظ کر سکے۔

دوسری طرح سے ہم یوں کہہ سکتے ہیں: چھوٹے اور جزئی قوانین حقیقت کی مثال کو اپنے اندر لئے ہوئے ہیں اور درواقع شرائط اور زمان و مکان کو مدنظر رکھتے ہوئے شہریوں کے حقوق کی حفاظت اور ان کے فطری حقوق کو فراہم کرنا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانی خصوصیات اور ضرورتیں ایک طرف ہے اور وہ مسائل جن کا سماجی زندگی دوسری طرف سے تقاضہ کرتی ہے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا کوئی عامل بھی قوانین بنانے

میں اثر انداز ہوتا ہے؟

اس کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں: خداوند عالم نے انسان کو با مقصد خلق کیا ہے لہٰذا جو مقدمات اس کا لازمہ تھے انہیں فطری جذبات کی صورت میں انسان کے خمیر میں ڈال دیا ہے مثلاً نسل کی بقاء کے لئے شادی کی ضرورت اور صاحب اولاد ہونے کا جذبہ انسان کے وجود میں رکھا ہے اور ہم بھی قانون بناتے وقت اس بات کی اجازت نہیں رکھتے ہیں کہ ان تمنا اور مقصد کی مخالفت کریں، اس طرح سے کہ بقائے نسل انسانی خطرہ میں پڑ جائے جیسے: شادی کے ذریعہ دو ہم جنسوں کا گھر بسانے کو قانونی حیثیت دینا ایسا ہی ہے۔ بعض مقاصد کو انسان اپنی قدر و قیمت یا اصولوں کی بنا پر منتخب کرے اور ان کو پورا کرنے کی کوشش کرے تا کہ فرد اور سماج کی ترقی اور سعادت اس کے مرہون منت رہے، قانون ایسا ہونا چاہئے کہ نہ صرف یہ کہ انسان کی ترقی اور کامیابی کو سست کرنے والا یا اس کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرنے والا نہ ہو بلکہ وہ اس راستہ کو ہموار کرے اسے آسان اور واضح بنائے، البتہ لوگوں کی علمی صلاحیت اور نظریوں میں اختلاف کی وجہ سے انسان کے ذریعہ بنائے ہوئے قوانین میں فرق پیدا ہو جاتا ہے یا کبھی کبھی متعارض قانون بنا دئے جاتے ہیں۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ بحث ''دنیا کے بارے میں زاویۂ نگاہ اور ایڈیولوژی کے رابطہ'' سے بالکل قریبی رابطہ رکھتی ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ یہ ''موجود ہونے اور ضروری ہونے کا رابطہ'' ہے یعنی ضروریات (وہ قوانین بنائے جاتے ہیں) کیا وہ حقائق سے ماخوذ اور ان پر مبنی ہیں؟

یہ ایک بنیادی موضوع ہے کہ جس کے بارے میں مرحوم علامہ طباطبائی، شہید مطہری اور بعض دوسرے لوگوں نے گفتگو کی ہے، بعض اہل نظر اس کو قبول نہیں کرتے۔ میرے

نظریہ کے مطابق باید کا دار مدار ہست پر ہے مثلاً اگر انسان صلاحیت یا ضرورت رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ اسے قبول کرے یا پورا کرے ہم نے بھی یہاں پر کہا ہے کہ شرعی حقوق اور مسائل دراصل انسان کی ان ضرورتوں اور تکوینی حالات کا جواب ہیں کہ جن کی مخالفت نہیں کی جاسکتی۔ لیکن ایک مسئلہ کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے کہ ہم ہر باید کو ہست سے نہیں نکال سکتے مثلاً اگر بالفرض علم سے یہ نتیجہ نکلے کہ فلاں ذات پہلو، شرائط اور قدرت کی وجہ سے دوسری ذات پر برتری رکھتی ہے یہاں پر ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنی صلاحیت کے اعتبار سے رشد کرے اور اس کا اکتسابی حق کام کرنے کے اعتبار سے دیا جائے۔ لیکن اس سے ہم ذاتی جانبداری کا فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ ذاتی جانبداری ایسا دستور العمل ہے جو ذاتی فرق کو مدنظر رکھتے ہوئے بنایا گیا ہے اگر ہم مختلف ذاتوں کو انسانیت کے پیکر میں متفرق سمجھیں اس وقت ہمیں ان کے فطری حق اور امتیاز کو بھی ایک دوسرے سے الگ جاننا چاہئے۔ لیکن جب یہ تمام کے تمام انسانیت میں ایک جیسے ہیں تو ان کا فطری حق بھی کاملاً ایک دوسرے کے برابر ہے۔

حق آزادی، انتخاب، پڑھنا، سیاسی کاموں میں شرکت، علاج...وغیرہ یہ تمام حقوق انہیں حاصل ہیں اور ان وسائل اور حقوق سے پورا پورا فائدہ حاصل کریں جو ہر انسان کا حق ہیں اور جب وہ برابر فائدہ اٹھانے کے بعد مختلف نتیجوں تک پہنچیں تو ہر انسان کو اس کے اعتبار سے اچھے مقام پر رکھنا چاہئے اور وہ اپنی صلاحیت کے اعتبار سے سماج میں کام کرے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ طبیعی حقوق کے اعتبار سے تو ہر انسان برابر ہے اور انفرادی یا ذاتی فرق اور اس جیسی چیزیں اس پر کوئی اثر نہیں ڈالتیں، لیکن اکتسابی حق انسان کی صلاحیت، کوشش و محنت اور انسان کے حالات سے وابستہ ہے، لہٰذا یہ واضح ہے کہ وہ

برابر اور یکساں نہ ہوگا۔ اب جب کہ اس جگہ مساوی رابطہ قائم نہیں ہے تو کیا کوئی خاص قاعدہ ہے جسے ہم اکتسابی حق کی بنیاد اور معیار سمجھیں؟

اس کے جواب میں ہم کہیں گے :ایک معیار وہی صلاحیت کو بروئے کار لانا ہے مثلاً اگر کوئی شخص علمی میدان میں یا مدیریت ورہبری کی حیثیت سے یا جسمی طاقت کے اعتبار سے صلاحیت رکھتا ہے اور بہت کام اور کوشش کرنے والا ہے تو ایسے شخص کو اس کے مناسب مقام ملنا چاہئے تا کہ حتی الامکان لوگوں کی صلاحیت ضائع اور برباد نہ ہو، دوسرا معیار انفرادی حقوق سے فائدہ اٹھانا، مگر لوگوں کو ضرر نہ پہنچانے اور ان کے حق کی پامالی کا سبب نہ بنے اور سماجی نظام میں خلل پیدا نہ کریں یا اس کو نقصان نہ پہنچائیں اور تمام انسانی اصول اور معیاروں کے مخالف نہ ہو اور دوسروں کے لئے زحمت پیدا نہ کرے، ان تمام معیاروں کو ہم عدالت میں خلاصہ کر سکتے ہیں۔ یعنی کوئی بھی حق عدالت کے حدود سے باہر نہ ہو۔

اگر کسی حق کے حصول میں ظلم شامل ہو جائے تو وہی ناحق ہو جائے گا جس کی وجہ سے وہ حق ساقط ہو جائے گا لہٰذا اگر کوئی عورت یا مرد یہ چاہتا ہے کہ اپنے حق سے فائدہ اٹھانے کے بہانے دوسرے پر ظلم کرے تو یہ کام صحیح نہیں ہے۔ بلکہ اپنے حق سے غلط فائدہ اٹھانے کی بنا پر ممنوع ہے۔

حضرت زہراؑ تمام خواتین کے لئے نمونہ عمل

سوال: آپ نے ''بانوی نمونۂ اسلام'' نامی کتاب، کس جذبہ کے تحت لکھی تھی؟

جواب: ''بانوی نمونۂ اسلام'' میری دوسری کتاب ہے جو میں نے ۱۹۶۹ میں لکھی تھی۔ کیونکہ بہت دن سے میرے ذہن میں یہ بات تھی کہ کسی ایسے گھرانہ کو نمونہ کے عنوان سے اسلامی سماج کے سامنے پیش کروں کہ جس سے تمام عورتیں اور مرد حضرات ہر پہلو سے سبق لے سکیں چنانچہ اس کے لئے جو سب سے اچھا گھرانہ ہوسکتا ہے وہ حضرت علی ابن ابی طالبؑ اور حضرت فاطمہؑ کا گھر ہے۔ کیونکہ پیغمبرؐ کے بعد مردوں میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ اور عورتوں میں حضرت فاطمہؑ سب سے افضل ہونے کے علاوہ اسلام کی بڑی شخصیت بھی ہیں۔ یہ دونوں حضرات چونکہ معصوم تھے اسی لئے انہوں نے اپنے تمام دینی فرائض پر مکمل طور سے عمل کیا اور حکم الٰہی کے عین مطابق زندگی گذاری اور یہ حضرات شادی خانہ آبادی، گھر والوں کے اندرونی تعلقات اور آپسی رائے مشورہ مثلاً شوہر داری، بچہ داری، گھر داری... وغیرہ یا سماجی رابطہ کے اعتبار سے بھی تمام گھرانوں کے لئے ایک بہترین نمونۂ عمل ہیں اس لئے میں نے یہ سوچا اسی گھرانہ کے بارے میں مطالعہ کروں اور اسے

نمونہ کے عنوان سے متعارف کراؤں۔

ان دو بزرگوں کی گھریلو زندگی کو دو انداز سے بیان کرنے کے لئے میرے سامنے دو راستے تھے ایک تو ان کے ذاتی فضائل وکمالات کے بارے میں تحقیق کرنا، یعنی امیر المومنینؑ اور حضرت زہراؑ میں ہر ایک عصمت کے اعتبار سے کن فضائل کے حامل تھے جس کے لئے مفصل بحث کی ضرورت ہے۔ دوسرا طریقہ ان دونوں بزرگوں کی گھریلو اور سماجی زندگی پر روشنی ڈالنا تھا کیونکہ اسی راستہ کے سہارے ہم اپنی منزل تک پہنچ سکتے تھے یہی وجہ ہے اس کتاب میں جہاں کہیں بھی پہلا راستہ اپنایا گیا ہے تو وہاں بھی ان دونوں حضرات کی عملی زندگی اور ان کی سیرت وکردار ہی ہمارے پیش نظر تھی۔

پہلے میں یہ سوچا کرتا تھا کہ اسلامی کتابوں میں حضرت زہراؑ کی زندگی کے بارے میں بہت زیادہ مواد موجود ہے لیکن اس میدان میں قدم رکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ افسوس اس بارے میں کتابیں اور مواد بہت کم ہیں۔ کیونکہ حضرت زہراؑ کی زندگی، خاص طور سے آپ کی گھریلو زندگی بہت مختصر تھی اس کے علاوہ آپ کی زندگی کا اچھا خاصہ حصہ اہم ذمہ داریوں کی بنا پر گھر کے اندر گذر گیا اور گھر کے حالات سے لوگ عام طور سے کم واقف ہو پاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم کو آپ کی علمی سیرت سے متعلق جزئیات کے بارے میں مواد نہیں مل سکا دوسری طرف اس زمانہ میں عورتیں ایک خاص دائرہ میں محدود تھیں جس کی بنا پر کوئی بھی ان کی زندگی کے ہر پہلو پر نظر نہیں رکھ سکتا تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دور میں سیرت وکردار سے متعلق مسائل کو اتنا اہم نہیں سمجھا جاتا تھا کہ اس کا تذکرہ کیا جائے میں نے ان مشکلات کا سامنا کیا ہے۔ لیکن اس بات کی کوشش کی ہے کہ جس نکتہ سے بھی ہو سکے (چاہے جزئی ہی ہو) اسی سے فائدہ اٹھایا جائے اور اسی سے نتیجہ حاصل کریں۔

جس طرح آہستہ آہستہ میری تحقیق آگے بڑھتی تھی میرے لئے جذابیت بڑھتی جاتی تھی نیز اس سے معنوی جذبہ بھی پیدا ہوگیا تھا حضرت فاطمہؑ کی شخصیت نے مجھ پر اتنا زیادہ اثر ڈالا کہ متعدد بار ایسا ہوا کہ میں کتاب لکھتے لکھتے رونے لگتا تھا میں اس میں بالکل مگن ہوگیا تھا۔ اس کام کو زیادہ سے زیادہ انجام دینے کے لئے میرا جذبہ قوی ہوتا جارہا تھا شاید یہ داستان بیان کرنا یہاں مناسب ہو۔

جب کتاب تمام ہوگئی تو میں نے جناب فاطمہؑ سے التجا کی اور بی بی دو عالم سے یہ کہا :اے پیغمبرؐ کی بیٹی: اگر یہ کام آپ کی نظر میں قبول ہونے کے لائق ہے تو میں آپ سے اس کا انعام چاہتا ہوں کیوں کہ اس وقت تک عام اسباب کی بنا پر میرے لئے حج کرنا ممکن نہ ہو سکا تھا اور میں قافلہ حج میں معلم کی حیثیت سے یا کسی دوسرے ذریعہ سے حج پر نہیں جانا چاہتا تھا اسی طرح کسی کی نیابت پر بھی نہیں جانا چاہتا تھا اور دوسری طرف میرے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا کہ اس سے حج کرنے چلا جاتا اس لئے تقریباً حج کی سعادت سے مایوس تھا۔ اس لئے میں نے حضرت فاطمہؑ کی بارگاہ میں یہ عرض کی: اس کتاب کا جو صلہ میں آپ سے چاہتا ہوں وہ سفر حج کرنے کے لئے چاہتا ہوں جو اپنے سرمایہ سے ہو اور قبول بھی ہو۔

چنانچہ میں ایک دن صفائیہ کی سڑک سے اپنے گھر پیدل جارہا تھا کہ ایک شخص جس سے ان دنوں میری تھوڑی بہت جان پہچان ہوگئی تھی اس نے اپنی گاڑی کو سڑک کے کنارے روکا اور مجھ سے کہنے لگا کہ آیئے آپ کو گھر تک پہنچا دوں میں سوار ہوا اس نے پوچھا آپ کا گھر کہاں ہے؟ پھر وہ میرے ساتھ آیا اور دروازہ پر مجھ سے کہا تہران میں بعض دینی اسکول ہیں میں ان کے لئے دینی تعلیمات کا نصاب تالیف کروانا چاہتا ہوں اس کام کی اجازت میں نے وزارت تعلیم سے بھی لے لی ہے میں نے سوچا یہ کام آپ کے

حوالے کردوں تا کہ بعض لوگوں کی مدد سے اس مقصد کے لئے مناسب کورس تیار ہو سکے۔ یہ کام میرے لئے اس زمانہ میں سخت تھا کیونکہ میں نے اس وقت تک بچوں کے بارے میں کوئی کام نہیں کیا تھا لہٰذا میں نے کہا کہ میں نہیں کرسکتا ہوں لیکن انہوں نے اصرار کیا اور جاتے وقت تک یہ اصرار کرتے رہے کہ ضرور اس کام کو کروں، نیز دو ہزار تومان کے نئے نوٹ میرے طاقچہ پر رکھ دئے اور چلے گئے۔ میں نے کچھ دن تک اس کام کے لئے ہاتھ پیر مارے یہاں تک کہ وہ دوبارہ میرے گھر پر آئے اس وقت میں نے جتنا چاہا کہ اس کام کو ٹال دوں لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا اور کہا: اس کتاب کو حتماً آپ ہی تیار کریں اور جب وہ جانے لگے تو پھر دو ہزار تومان طاقچہ پر رکھ دئے اور چلے گئے اور اس طرح میرے پاس چار ہزار تومان ہو گئے۔

مجبوراً یہ کام مجھے انجام دینا پڑا نیز اسی وقت حج کے لئے نام لکھے جارہے تھے میں وہ چار ہزار تومان لے گیا اور اپنا نام لکھوا دیا، مزید پانچ سو تومان اور میں نے اس سفر میں خرچ کئے تھے جو مجھے یاد نہیں کہاں سے آئے تھے۔ بہر حال میں نے اس سال حج کرلیا اس کے بعد چند مرتبہ بہترین انداز میں حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی اور دو بار تو خانۂ کعبہ کے اندرونی حصہ کی بھی زیارت کی جسے میں حضرت زہراؑ کا لطف کرم سمجھتا ہوں۔

اس کتاب ''بانوی نمونہ اسلام'' کی اشاعت کو ۲۷ سال ہو گئے ہیں لیکن خداوند عالم کے لطف وکرم سے یہ کتاب تقریباً ہر سال ایک بار چھپتی ہے اور اس کا آخری انڈیشن ۱۴واں یا پندرہواں ایڈیشن ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے کتاب کے اوپر یہ نہیں لکھتے تھے کہ یہ کون سا ایڈیشن ہے ورنہ یہ اس سے بہت زیادہ بار طبع ہو چکی ہے۔ یعنی تقریباً سال میں ایک بار ضرور چھپتی تھی اور بعض دفعہ سال میں دو بار بھی چھپی ہے اور کئی زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی

ہو چکا ہے۔ اگر چہ اسے لکھے ہوئے ۲۷ سال گذر گئے ہیں مگر آج بھی یہ ایک نئی کتاب شمار کی جاتی ہے اور یہ فقط حضرت فاطمہؑ کا لطف و کرم ہے۔

میرے ذہن میں ہمیشہ یہ خیال تھا کہ جب بھی کوئی جدید بات کسی حدیث میں یا قرآن میں دیکھوں گا یا ذہن میں آئے گی تو اس کو اس کتاب میں ذکر کردوں گا اور مختصر یہ کہ اس کی تالیف کا سلسلہ جاری ہے اور اسی طرح جاری رہے گا اور اب تک میں نے کئی بار اس میں تبدیلی کی ہے اور بعض مواد کا اضافہ کیا ہے، لہٰذا ممکن ہے کہ یہی بات کتاب کو تر و تازہ رکھنے کا سبب ہو۔

سوال: ایک نمونۂ عمل عورت کے اندر کون سے معیار ہونا ضروری ہیں اور کیا وقت گذرنے کے ساتھ ان معیاروں پر اثر نہیں پڑے گا؟

جواب: انسان کی زندگی میں وقت اور زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ جو مختلف حالات سامنے آتے ہیں ان سے انسانی زندگی کے بنیادی اصول بالکل تبدیل نہیں ہوتے بلکہ انداز زندگی یا آپسی روابط کے ظاہری طور طریقے بدل جاتے ہیں مثلاً انسانی فطرت ہر زمانہ اور ہر نسل کے لئے بالکل ایک جیسی تھی اور رہے گی۔ الٰہی سنتیں اور وہ قوانین ہستی کہ جو انسانی زندگی پر حاکم ہیں سب کے سب ثابت اور نا قابل تغییر ہیں۔ انسان کا اپنے خدا اور عالم فطرت (حتی کہ اپنے خاندان) سے رابطہ ایک ایسا رابطہ ہے کہ جس کے اصول ثابت ہیں اور وہ قابل تغییر نہیں ہیں۔ لہٰذا حضرت زہراؑ جو تمام انسانی اقدار سے واقف تھیں اور آپ کی زندگی الٰہی اور انسانی معیاروں کے مطابق گذری تھیں آپ انتہائے تاریخ تک تمام انسانوں کے لئے نمونہ بن سکتی ہیں یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح

دین ایک ثابت امر کا نام ہے اسی طرح نمونہ بھی ثابت اور دائمی ہوسکتا ہے۔ لہٰذا یہ معقول بات نہیں ہے کہ وہ جزئی مسائل کہ جن کی اپنے اعتبار سے کوئی قدر و قیمت نہیں بلکہ وہ وقت یا حالات کے تقاضوں کے تحت ابھر کر سامنے آجاتے ہیں ان کو اپنا نمونۂ عمل قرار دیا جائے۔

بلکہ سیرت معصومینؑ سے ماخوذ معیاروں اور اقدار کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اپنے زمانے کے مطابق ان کو اپنی زندگی میں شامل کرلیں۔ کیا کوئی یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ مناسب شریک حیات کے انتخاب کا اختیار، زندگی میں سادگی، شوہر اور زوجہ کا آپس میں ایک دوسرے کا احترام، زندگی میں ایثار وفداکاری، گھر کے حقوق کا دفاع، سچائی، بچوں کی تربیت کے لئے کوشش اور محنت، معاشرہ کے بارے میں احساس ذمہ داری اور اسی طرح کے دوسرے امور ایسی چیزیں ہیں کہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کی قدر و قیمت اور حقانیت بھی تبدیل ہوجائے گی۔ یہ سب جلوے ہمیں حضرت زہراؑ کی زندگی میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں جو ہمارے لئے ہمیشہ نمونۂ عمل قرار پاسکتے ہیں۔

سوال: حضرت فاطمہؑ کی زندگی میں کس اہم اور رہنما صفت نے آپ کی توجہ کو اپنی طرف زیادہ جذب کیا اور وہ کیا تھی؟

جواب: حقیقت یہ ہے کہ حضرت فاطمہؑ اور امیر المومنینؑ کی زندگی ہر اعتبار سے دلچسپ اور نمونۂ عمل ہے، لیکن جس چیز نے مجھے متاثر کیا ہے وہ ان حضرات کی سادہ زندگی ہے۔ جب کہ حضرت علیؑ، اسلام کی دوسری عظیم شخصیت اور پیغمبرؐ کے داماد تھے۔ اگر حضرت علیؑ کی کوشش اور آپ کی حمایت نہ ہوتی تو اسلام اتنی آسانی سے کامیاب نہیں ہوسکتا تھا۔ جناب فاطمہؑ بھی بہت عظیم خاتون تھیں آپ پیغمبرؐ کی بیٹی اور ان کے نزدیک قابل احترام

تھیں ۔لیکن اس کے باوجود آپ کی زندگی بہت سادہ تھی۔ یہ دونوں حضرات یہی کوشش کرتے تھے کہ ان کی زندگی بالکل معمولی ہو نیز آسائش وآرام کے وسائل کے لحاظ سے اپنے زمانہ کے اعتبار سے کمترین سطح پر ہو۔ یہ حضرات زندگی کی مشکلات کو دوسرے لوگوں سے زیادہ برداشت کرتے تھے اور جناب فاطمہؑ بھی اس صورت حال سے مکمل طور پر راضی تھیں اور یہ بہت اہم بات ہے کیونکہ اس زمانہ میں بیت المال کا سرمایہ پیغمبرؐ اسلام کے اختیار میں تھا اور آپؐ اس سرمایہ سے ان حضرات کی مدد کر سکتے تھے مثلاً: وہ اپنی بیٹی کو مفصل جہیز دے سکتے تھے یا راہ اسلام میں حضرت علیؑ کی زحمتوں کے شکریہ کے عنوان سے ان کی مدد کر سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔

حضرت فاطمہؑ ان اقدار کا اچھی طرح خیال رکھتی تھیں، آپ ہر مشکل کو دل وجان سے قبول کرتی تھیں، آپ کسی بھی طرح کا بہانہ نہیں بناتی تھیں اور نہ ہی اعتراض کرتی تھیں۔ ایک دن پیغمبرؐ نے حضرت فاطمہؑ کے گھر میں ایک خوبصورت پردہ دیکھا جب آپ نماز کے لئے گھر سے باہر گئے تو جناب فاطمہؑ کو یہ احساس ہو گیا کہ ان کے بابا کو یہ پردہ مناسب معلوم نہیں ہوا لہٰذا آپ نے اسے اتارا اور امام حسنؑ یا امام حسینؑ کے ذریعہ رسولؐ کے پاس مسجد میں بھیج دیا۔ یہ منظر دیکھ کر پیغمبرؐ بہت زیادہ خوش ہوئے اور فرمایا: میری بیٹی میں نے جو چاہا تھا وہ تم نے انجام دیدیا۔ مختصر یہ کہ آپ کی پوری زندگی سادگی میں اپنی مثال آپ ہے اور میرے خیال کے مطابق اس کی بہت اہمیت ہے۔

سوال: سادہ زندگی گذارنا، زیادہ خرچ کرنے سے پرہیز کرنا نیز دنیا کی آسائش اور آرام کو ترک کرنا ایک طرح کی خوبی کیوں سمجھا جاتا ہے۔ کیا یہ کام سب سے کرنے کے

لئے کہا گیا ہے یا فقط عہدیداروں اور رہبران قوم یا ان کے گھر والوں سے مخصوص ہے؟

جواب: یہ ایک عام بات ہے کہ ثروت منداور سرمایہ دار حضرات غریبوں اور فقیروں کی مدد کریں اوراس طرح زندگی نہ گذاریں کہ سماج کے مختلف لوگوں میں دنیا پرستی کا شوق پیدا ہواس کی مزید تقویت ہواوران کی ناراضگی کا سبب بنے۔اسلام کسی بھی وجہ سے دنیا کی آرائشوں میں حد سے آگے بڑھ جانے کا قائل نہیں ہے بلکہ انسان جو چیز دنیا پرستی پر خرچ کرنا چاہتا ہے اسے سماجی کاموں یا فقیروں کی امداد میں خرچ کرے اور جولوگ سیاسی یا معنوی اعتبار سے کسی عہدہ یا شخصیت کے مالک ہیں ان کواس مسئلہ کی طرف زیادہ توجہ دینا چاہئے۔کیونکہ یہ لوگ اگر اپنے ذاتی اور حلال مال کو دنیا کی رنگینیوں پر خرچ کریں گے یا عیش وآرام کی زندگی گذاریں گے تو دوسرے لوگ بھی ایسا ہی کریں گے اس طرح جولوگ اچھی زندگی نہیں گذار سکتے ان کے لئے ایک مشکل کھڑی ہوجائے گی۔

اس کام کا دوسرا سماجی نقصان یہ ہے کہ لوگوں کے دینی اعتقاد اور عمل کی بنیاد کمزور ہو جائے گی۔کیونکہ وہ سوچیں گے کہ جب ہمارے قائدین کا یہ حال ہے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل چیز سرمایہ اور مادیات ہیں اور معنویت کوئی چیز نہیں ہے۔

اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ سماج میں کوئی فقیر اور محتاج نہ ہوتا اور عیش وعشرت اور آرائش سے دوسروں پر برا اثر نہ پڑتا تب بھی سادہ زندگی گذارنا ایک اچھی صفت اور ایک وظیفہ ہوتا۔کیونکہ اسلام اسراف کا مخالف ہے،لہٰذا اگر ہمارے سماج میں کوئی فقیر نہ بھی ہوتب بھی ہمارا پیسہ دنیا کی رنگینیوں اور عیش اور عشرت کے بجائے سماج کی ترقی کے لئے خرچ ہوتو تمام لوگ اور ہمارا سماج ہر اعتبار سے ترقی کرے۔

اس کام کے لئے ہمیں دنیا سے لگاؤ کم کرنا پڑے گا کیونکہ جتنا بھی دنیا سے انسان کا

تعلق زیادہ ہوگا وہ اتنا ہی معنوی چیزوں سے دور ہوتا جائے گا البتہ دنیا طلبی صرفاً پیسہ سے لگاؤ یا اچھی زندگی بسر کرنا نہیں ہے بلکہ دنیا سے بہت زیادہ دل لگائے رکھنا ہے۔ کیونکہ عین ممکن ہے کوئی فقیر ہو لیکن اس وجہ سے نہیں کہ وہ دنیا سے بے رغبت ہے بلکہ شاید دنیا سے اس کا لگاؤ زیادہ ہو لیکن وہ اسے حاصل نہ کر سکا ہو یا ممکن ہے کسی کے پاس معمولی سا سرمایہ ہی ہو اور وہ اسی کا گرویدہ ہو اور اس کا دل اسی میں مگن ہو۔

انسان کی دنیا سے قلبی محبت ثروت حاصل کرنے کے معاملہ میں بہت زیادہ موثر ہے۔ یعنی اگر کوئی دنیا کا دلدادہ ہو تو پھر وہ اسے ہر راستہ سے حاصل کرنا چاہے گا حتی کہ اسے حاصل کرنے کے لئے دوسروں پر ظلم وستم اور گناہ سے بھی پرہیز نہیں کرے گا۔ لیکن اگر کوئی دنیا کا دلدادہ نہ ہو تو پھر وہ ناجائز راستوں کی طرف نہیں جائے گا اور دوسروں کی حق تلفی سے پرہیز کرے گا۔

حضرت زہراؑ جو کہ نبوت کی بیٹی اور امامت کی زوجہ تھیں اور پیغمبرؐ اکرم اور حضرت علیؑ کے بیان کردہ اقدار اور احکامات نیز سماجی مصلحتوں اور منافع کے پیش نظر شہزادی کائناتؑ نے جس طرح سادگی کی زندگی گذاری اور روحانی پہلوؤں پر خاص توجہ دی ہے اس کو پیغمبرؐ اکرم کی کامیابیوں کا ایک راز قرار دیا جاسکتا ہے۔

البتہ سادہ زندگی گذارنے کی خوبی پیغمبرؐ کے زمانہ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ جو لوگ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور وہ محافظ اسلام ہیں یا اسلامی دنیا کی بڑی شخصیت اور اسلام کے قائدین کے عنوان سے پہچانے جاتے ہیں۔ لوگوں کو ان سے یہی توقع ہوتی ہے کہ وہ پیغمبرؐ، امیر المومنینؑ اور حضرت فاطمہؑ کی طرح زندگی بسر کریں۔ اگر لوگ علماء کو دنیا سے بے رغبت اور سادگی کے ساتھ زندگی گذارتے ہوئے دیکھیں تو وہ اسلامی نظام

اوراس کے عہدیداروں کو پسند کرنے لگیں گے لیکن اگر وہ یہ مشاہدہ کریں کہ ان کے قول اورعمل میں تضاد پایا جاتا ہے تو ان سے دور ہو جائیں گے۔

وہ عالم دین کہ جو حضرت زہراؑ اور حضرت علیؑ کے طرز زندگی کا تذکرہ کرتا ہے یا حضرت علیؑ کی عدالت کی تعریف کرتا ہے ضعیفوں اور فقیروں کے بارے میں باتیں کرتا ہے لیکن اس کا گھر اور سامان زندگی (اگر چہ حلال مال سے ہی ہو) دنیا داروں جیسا ہے تو ان کی صداقت پر لوگوں کی انگلیاں اٹھیں گی، لوگ کہیں گے حضرت علیؑ اور پیغمبرؐ تو خود کام کیا کرتے تھے اور یہ بات ثابت ہے کہ ان کے کام اور تدبیر کا نتیجہ بہت اچھا تھا۔ لیکن جو بھی مال انہیں ملتا تھا وہ اسے فقیروں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ تو لوگ حکومت کے عہدہ داروں سے بھی یہی چاہتے ہیں۔

اس اعتبار سے ایک بڑا عہدہ دار اور دینی شخصیت کا حامل یا اسلامی مملکت کا قائد و رہبر کہ جس کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اور اپنے گھر والوں نیز اپنے پڑوسیوں کے کام میں ان کا ہاتھ بٹائے اگر یہ صحیح انداز سے زندگی گذارے تو یہ دراصل اسلام کی تبلیغ ہے۔

البتہ کبھی کبھی بعض عورتیں ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اور حرص میں اپنے شوہروں کو دنیا پرستی اور تجملات دنیا کی طرف دعوت دیتی ہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ حضرت زہراؑ کی زندگی سے سبق سیکھیں۔ لیکن اگر خیانت کریں اور اپنے مقام اور منصب کا خیال نہ کریں تو درواقع انہوں نے اسلام پر ایک کاری ضرب لگائی ہے اور انہیں قیامت کے دن جواب دہ ہونا پڑے گا۔

سوال: سماجی روابط کے درمیان حضرت زہراؑ کی کون سی خاص صفت نے آپ کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کیا ہے؟

جواب: حضرت زہراؑ سیاسی اور سماجی کاموں میں مختلف مقامات پر نظر آتی ہیں۔ جنگی امور میں شرکت، میدان جنگ میں براہ راست حاضری، فکری اور روحی اعتبار سے حضرت علیؑ کی مدد کرنا یا تعلیمی اور تربیتی کاموں کو انجام دینا، آپ کے اس طرح کے بہت سے کام تھے لیکن میرے خیال میں سب سے اہم مسئلہ جس پر جناب فاطمہؑ کی توجہ تھی وہ ولایت علیؑ کا دفاع تھا کہ جس پر ایک سماجی اور دینی وظیفہ کے عنوان سے آپ نے کام کیا مثلاً فدک کے مسئلہ میں جو جناب فاطمہ زہراؑ کا اصلی مقصد تھا وہ حضرت علیؑ کی ولایت کا دفاع کرنا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی زندگی کا آخری کارنامہ جسے آپ نے اپنی وصیت کے ذریعہ انجام دیا تھا وہ یہ تھا کہ آپ کو رات کی تاریکی میں دفن کیا جائے اور قبر کو پوشیدہ رکھا جائے۔ یہ سیاسی اور سماجی کاموں میں آپ کی شرکت کی بہترین دلیل ہے نیز آپ کے عظیم مقصد اور وسعت نظر کا بھی ثبوت ہے۔ کیونکہ ہر انسان یہی پسند کرتا ہے کہ مرنے کے بعد دوسرے لوگ اس کی تشییع اور تدفین میں حاضر رہیں، دھوم دھام سے اس کا جنازہ اٹھے، اس کی قبر پر آئیں اور اس کا نام ونشان باقی رہے۔ لیکن آپ نے ان تمام چیزوں کو اس مقصد پر قربان کر دیا جو آپ کے سپرد کیا گیا تھا۔

سوال: مقام عصمت کے علاوہ کن اسباب یا انفرادی خصوصیات یا گھریلو اور سماجی پہلوؤں سے جناب فاطمہؑ کی فضیلت نمایاں ہوتی ہے؟

جواب: حضرت زہراؑ گھریلو اعتبار سے ایک ممتاز مقام کی حامل تھیں، آپ ایسے والد کے گھر میں پیدا ہوئیں جو کہ تمام بشریت کے لئے بہترین مربی اور ہادی تھے۔ آپ کی والدہ بھی کوئی عام خاتون نہیں تھیں بلکہ جناب خدیجہؑ ایک ایسی خاتون تھیں کہ جس زمانہ

میں زیادہ تر عورتیں محروم تھیں آپ نے بہت بڑا تجارتی مرکز قائم کیا اور اسے اچھی طرح چلایا۔ آپ تجارت کے بڑے بڑے قافلے دوسرے ممالک میں بھیجا کرتی تھیں۔ یہ تمام باتیں آپ کی ذاتی لیاقت کی دلیل ہیں۔ لیکن میرے نظریہ کے مطابق ان تمام باتوں میں سب سے مہم چیز آپ کی صحیح شناخت اور دقیق معرفت بھی دخیل ہے کہ اتنی زیادہ دولت اور سماجی مقام کے بعد بھی آپ نے پیغمبرؐ سے شادی کے لئے درخواست کی جو اس وقت بظاہر سماجی اعتبار سے کسی خاص مقام کے حامل نہیں تھے اور مشغلہ کے اعتبار سے آپ۔ کے ہی کاروان تجارت کے ساتھ گئے تھے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ انسانی صفات کی شناخت میں کتنی باریک بیں اور تیز نظر کی مالک تھیں اور اس کے علاوہ آپ نے کتنی پر اعتمادی اور یقین محکم کے ساتھ اسے مادی فضیلتوں پر ترجیح دی اور اس کا انتخاب کیا اور جب پیغمبرؐ اکرم رسالت کے لئے مبعوث ہوئے تو جناب خدیجہؓ نے اپنی تمام دولت پیغمبرؐ اکرم کے حوالہ کردی، اسی کے سہارے اسلام کی تبلیغ کا سلسلہ آگے بڑھا۔ حضرت زہراؑ ایسے ماں باپ کی آغوش میں پروان چڑھی تھیں اور ایسے گھرانہ کی تربیت یافتہ تھیں جو دین کا مرکز اور تبلیغ دین کے لئے مجسم دوڑ دھوپ تھا جب آپ شوہر کے گھر میں منتقل ہوئیں تو ایسے شریک زندگی کے ساتھ زندگی گذ[illegible] جس کی پرورش خود پیغمبرؐ نے کی تھی اور وہ انسانی فضائل کا نمونہ تھے اور یہ تمام باتیں آپ کی ممتاز شخصیت کی تعمیر میں مؤثر تھیں۔

حضرت فاطمہؑ پیغمبر اکرمؐ اور جناب خدیجہؓ کی بیٹی اور حضرت علیؑ کی زوجہ، حسنین، زینب اور ام کلثوم (علیہم السلام) کی والدہ تھیں۔ لیکن میں ان تمام باتوں کے علاوہ واضح طور پر کہنا چاہوں گا کہ ''فاطمہؑ فاطمہؑ تھیں''، کبھی کبھی ایک انسان کی شخصیت اس کے ماں باپ سے وابستہ ہوتی ہے لیکن حضرت فاطمہ زہراؑ ان تمام فضائل کی حامل ہونے کے باوجود

اپنے فاطمہؑ ہونے کی وجہ سے فاطمہؑ ہیں اور یہ سب آپ کی ذاتی شخصیت کی بنا پر ہے۔

لیکن معصومین سے ماثور زیارتوں میں غالباً اس لئے آپ کے سلسلۂ نسب سے آپ کو خطاب کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں اس نسب کا بیان کرنا نیز اس رابطہ کا اظہار ضروری تھا تاکہ لوگ متوجہ ہو جائیں کہ یہ سب اہل بیت پیغمبرؐ ہیں اور جو کچھ انہوں نے قرآن یا پیغمبرؐ اکرم کے بیانات میں آپ کی شان میں سنا ہے وہ انہیں یاد آجائے۔ اسی لئے ہم تاریخ میں یہ دیکھتے ہیں کہ ائمہ نے اس موضوع کی بہت تاکید کی ہے کہ اگر لوگ ان کے فضائل کو نہ سمجھ سکے تو کم سے کم ان کی فضیلت کو نہ بھولیں اور آپ کو اس راستہ سے پہچان لیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ہم جناب فاطمہؑ کو بنت رسول کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ منصب نبوت کی حقیقی بیٹی۔ اس میں اور بنت محمدؐ کہنے میں فرق ہے اور وہ یہ کہ یہاں پر جسمانی رابطہ ہمارا منظور نظر نہیں ہے بلکہ یہاں ہمارا مقصد آپ کی شخصیت اور معنوی رابطہ کو بتانا ہے۔

سوال: حضرت زہراؑ نے مسجد نبوی میں جو تاریخی خطبہ دیا تھا اس میں آپ نے عوام سے کن توقعات کا اظہار کیا تھا اور آپ کی ناراضگی کی کیا وجہ تھی؟

جواب: حضرت زہراؑ نے مسجد نبوی میں اصحاب کے درمیان بہت ہی حساس اور مہم تقریر کی تھی اور یہ بہت ہی حیرت انگیز واقعہ ہے کہ جس سے آپ کی عظیم شخصیت کا پتہ چلتا ہے، ایسا پُر معنی اور فصیح و بلیغ خطبہ ایک غمزدہ اور رنجیدہ خاتون کی زبان سے، وہ بھی اس زمانہ میں اور ایسی مشکلات اور پابندیوں کے بعد آپ کے سماجی احساس ذمہ داری، دقیق تنقید و تبصرہ کی قدرت اور آپ کی غیر معمولی فکری اور روحی صلاحیتوں کی علامت ہے۔

اس خطبہ میں آپ نے اس امت کے روشن ماضی کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس نے

پیغمبرؐ کی مدد کے سہارے حاصل کیا تھا اور آپ نے ان کی موجودہ حالت کو توقع کے برخلاف بتایا ہے۔ یہاں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت زہراؑ نے بچپنے ہی سے اپنے والد کے رنج ومصائب اور شعب ابی طالبؑ کا تلخ تجربہ کیا تھا۔ مسلمانوں پر ظلم وستم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، بھوک اور دوسری سختیاں جنہیں مسلمانوں نے دین کی راہ میں برداشت کیا تھا آپ نے بھی ان سب کو برداشت کیا تھا، آپ نے پیغمبرؐ اکرم اور مسلمانوں کی استقامت، جہاد، ہجرت اور ان کی شہادتوں کو دیکھا تھا۔ مختصر یہ کہ جب مسلمان اپنے دینی مراسم کو آرام وسکون کے ساتھ انجام نہیں دے سکتے تھے۔ آپ کو وہ سب منظر یاد تھے یہاں تک کہ مسلمانوں نے عظمت پائی اور اسلام ترقی کر کے ہر طرف پھیل گیا، حضرت زہراؑ اسلام کے مستقبل کے بارے میں بیحد پُر امید تھیں اور آپ کو یہ توقع رہتی تھی کہ نور اسلام سے پوری دنیا منور ہو جائے گی۔ یہ تمام کامیابیاں ایک طرف تو پیغمبرؐ اکرم کی انتھک کوششوں دوسری طرف مسلمانوں کے ایثار وفداکاری اور اتحاد کا نتیجہ تھیں۔ لیکن اس دن آپ نے اپنی امید کے برخلاف اسلام کی کشتی کو طوفان میں گھرا ہوا پایا نہ اس کی الٰہی رہبری باقی تھی اور نہ ہی امت کے درمیان کلمۂ وحدت اور آپ اس لئے غمگین تھیں کہ میرے بابا کی یہ تاکیدیں کیا ہوئیں کہ ''حبل اللہ'' سے وابسطہ رہو۔ وہ حضرت علیؑ کی عصمت ،تقویٰ اور تدبیر سے بخوبی واقف تھیں اور یہ دیکھ رہی تھیں کہ لوگوں نے حضرت علیؑ کے بارے میں پیغمبرؐ کی تمام تاکیدوں کو بھلا دیا ہے اور یہ تمام غصہ اور درد دل انہیں دیواروں اور رکاوٹوں کی بنا پر تھا کہ کیا ہونا چاہئے اور کیا ہو گیا۔

سوال: کبھی کبھی جناب فاطمہؑ اور معصومینؑ کی زندگی کو سراپا غم واندوہ کی زندگی کے

عنوان سے بیان کیا جاتا ہے، کیا یہ کام صحیح ہے؟

جواب: جو چیز ائمہ معصومینؑ یا جناب فاطمہؑ کی شخصیت کے بارے میں بہترین صفت کے عنوان سے بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی فکریں، اخلاق اور کردار و رفتار لوگوں کے لئے نمونہ ہے۔ کیونکہ ہم بآسانی یہ کہہ سکتے ہیں اسلام تمام کا تمام ان کے پیکر وجود میں مجسم تھا ائمہ معصومینؑ اور نمونۂ عمل ہستیوں سے ہماری محبت یہ صد در صد اسلام کے احکام، عقائد اور اس کی بنیاد پر ہے۔

اولیائے دین کے بارے میں ہمارا فریضہ یہ ہے کہ انہیں خداوند عالم کے کامل نمونہ کے عنوان سے پسند کریں ان کے افکار کو سمجھیں ان کے احکام پر عمل پیرا ہوں اور اپنی زندگی کو ہر پہلو سے ان کے بتائے ہوئے معیاروں کے مطابق ڈھالیں۔ پیغمبرؐ کا نمونۂ عمل ہونا جیسا کہ قرآن فرماتا ہے: ''ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ'' یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ہمیں ہر چیز سے پہلے معصومینؑ کو اسی زاویۂ نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔

پیغمبرؐ اکرم سے لے کر ائمہ اطہارؑ اور جناب فاطمہؑ تک سب نے دنیاوی مصیبتوں اور پریشانیوں کا سامنا کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ یہ حضرات راہ حق پر اتنے ثابت قدم تھے اور باطل سے اتنے بیزار تھے کہ ہمیشہ باطل کا مقابلہ کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ اسی لئے ان کے دشمن ان سے کینہ اور دشمنی رکھتے تھے۔ لہٰذا ہمیں ان کے غم میں شریک رہنا چاہئے ہم ان سے ہمدردی کریں اور ان کی مصیبت پر اشک بہائیں اور یہ ان کے ساتھ چلنے اور ان کی مدد کرنے کے لئے ضروری ہے۔ لیکن جو چیز سب سے مہم ہے اور جسے ہم عزاداری اور گریہ کا اصل جوہر سمجھ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہم ان کی باتوں سے ان کے کاموں سے اور ان کی تمام زندگی سے سبق حاصل کریں ہماری عزاداری بھی اسی مقصد کے لئے ہونا چاہئے،

لیکن افسوس، کہ ایسا نہیں ہے۔ یعنی ہمارے لئے ضروری تو یہ تھا کہ اپنے اولیاء کو اپنے لئے نمونۂ عمل بنانے کے عنوان سے قبول کرتے اور زندگی میں ان سے سبق لیتے لیکن ہم نے ان کی پوری سیرت زندگی کو چھوڑ دیا ہے اور فقط ان کے گریہ اور مصیبت کو لے لیا ہے۔

مثلاً امام حسینؑ اس لئے کربلا نہیں گئے تھے کہ شہید ہو جائیں اور ہم ان پر گریہ کر کے جنت میں چلے جائیں بلکہ آپ کے کربلا جانے کا کچھ اور مقصد تھا۔ لہٰذا آپ سے رابطہ کے لئے ہمارا اصلی وظیفہ یہ ہے کہ ان مقاصد کو نظر میں رکھیں۔ یہ وہ بہترین خدمت اور بہترین کام ہے کہ جس سے امام حسینؑ بھی خوش ہوں گے اور اس کا اجر وثواب بھی زیادہ ہے اور امامت اور ولایت کے حقیقی معنی بھی یہی ہیں اور تمام معصومینؑ کے سلسلہ میں بھی ہمارا یہی فریضہ ہے۔ ہمیں جاننا چاہئے کہ کیوں جناب فاطمہؑ کے ساتھ ایسا سلوک ہوتا تھا ؟ کیوں آپ کو ستایا جاتا تھا؟ آپ نے کیوں خطبہ دیا؟ کیوں فدک کے مسئلہ پر زور دیا ؟ ہمارے لئے ضروری ہے کہ اس بات کو جانیں کہ شیعہ وپیرو اور دوستدران حضرت فاطمہؑ ہونے کے عنوان سے ہمارا کیا فریضہ ہے؟ لیکن ہم اسے بھول گئے اور صرف آپ کے گریہ کو یاد رکھے ہوئے ہیں۔

البتہ روایات میں آیا ہے کہ امام حسینؑ پر گریہ کرنے کا بہت ثواب ہے اور حقیقت بھی یہی ہے لیکن ہم کبھی کبھی امام حسینؑ پر اس لئے روتے ہیں کہ آپؑ کربلا میں دشمنوں کے محاصرہ میں تھے آپؑ اور آپ کے بچے پیاسے تھے اور اسی طرح شہید کر دئے گئے اس بات پر رونا اصلی عزاداری نہیں ہے بلکہ اس لئے گریہ کرنا چاہئے کہ امام حسینؑ جو اتنے باعظمت تھے اور آپ نے اسلام کے دفاع کے لئے قیام کیا اور کسی شک وشبہہ اور لغزش کے بغیر اپنے پورے وجود کے ساتھ باطل کے مقابلہ میں ڈٹے رہے اور اس راہ میں تمام

سختیوں کو برداشت کیا اور جو اپنے کو پیرو اور امت رسول کہتے تھے ان کی سادہ لوحی، بے فکری ،ٹیڑھی فکر، کاہلی، غفلت، عافیت طلبی اور جاہ طلبی کی بنا پر مظلومیت کے ساتھ شہید ہو گئے۔ یہ سوچ کر رونا واقعاً اصلی معنی میں رونا ہے اس طرح رونا، یعنی امام حسینؑ کا ہم فکر ہونا اور ان کے نقش قدم پر چلنا یعنی شیعہ ہونا۔

اگر ہم جناب فاطمہؑ پر اس لئے روئے کہ آپ ایک اٹھارہ سال کی خاتون تھیں آپ نے دنیا سے کوئی اچھائی نہ دیکھی آپ پر ظلم ہوا، فدک چھینا گیا، وغیرہ وغیرہ تو یہ رونا اُتنا فائدہ مند نہیں ہے بلکہ آپ پر رونے کا اصل فائدہ اس وقت ہے جب ہم جان لیں کہ آپ اپنے مقصد کے لئے کتنی ثابت قدم رہیں اسی لئے تمام مصیبتوں کو برداشت کیا یعنی ہم ہر شہید پر دو طرح سے رو سکتے ہیں، ایک اِس لئے کہ اس نے کوئی خوشی نہ دیکھی لیکن کبھی کبھی اس کے کام کا حسن اور عظمت ہر انسان کے دل کو جھنجھوڑ دیتی ہے اور اسے آنسو بہانے پر مجبور کر دیتی ہے یعنی اس بات پر رونا کہ کیوں دنیا میں باطل کو اتنی قدرت حاصل ہے کہ حق کے ساتھ اس طرح کا سلوک ہو رہا ہے اس گریہ سے انسان بدل جاتا ہے اور اسے جذبہ ملتا ہے اور اس کے اندر خداوند عالم کا شوق و اشتیاق تقویت پاتا ہے اور اسی چیز کی قیمت ہے۔ یہ واقعاً ایک مصیبت ہے کہ ہم نے اسے گنوا دیا ہے اور دوسرے راستوں پر چل نکلے ہیں ہم سب کا فریضہ ہے کہ اس کا علاج کریں اور جب تک اسے حل نہیں کر لیں گے ہماری بہت سی مشکلات باقی رہیں گی۔

سوال: آپ کے نظریہ کے مطابق ان مشکلات کی بنیاد کیا ہے؟

جواب: اس طرح کی باتوں کو پھیلانے میں ذاکرین اور خطباء کا بڑا ہاتھ ہے

ذاکروں کواس کے لئے تیار کرنا چاہئے تا کہ وہ اپنے فریضہ کواچھی طرح انجام دیں۔امام حسینؑ حضرت زہراؑ اور جناب زینبؑ کی معرفت حاصل کریں اورانہیں صحیح انداز سے پہچانیں۔ خطباء کواس بات کی طرف متوجہ کرنا چاہئے کہ اپنے اشعار میں ان کے مقصد کو بیان کریں اگر ذاکرین کی توجہ اس پہلو کی طرف رہے اور وہ مجلسوں میں اولیائے خدا کی شخصیت کواچھی طرح سے بیان کریں اوران کی زیادہ توجہ ان کی زندگی سے سبق حاصل کرنے پر ہوتو یہ مشکل حل ہو جائے گی۔

اسے حل بھی ہونا چاہئے کیونکہ آج کل کے جو حالات ہیں وہ واقعاً صحیح نہیں ہیں لوگوں کو بھی اس بات کی طرف متوجہ ہونا چاہئے کہ مجلس کرنا مجلس پڑھنا یا مجلسوں میں شرکت کرنا اسی وقت فائدہ مند ہے کہ اس راستہ سے ہمیں ان حضرات کی تعلیمات سے آگاہی ہو۔ رونا اس وقت فائدہ مند ہے کہ جب امام حسینؑ کے مقصد اوران کے مشن کے لئے ہو لوگوں کواس بات کا پابند ہونا چاہئے کہ جو بھی مجلسوں میں سنیں اسے فوراً قبول نہ کرلیں۔ بعض لوگ دوسروں کورلانے کے لئے ہر طرح کی ضعیف اور جھوٹی باتیں بیان کرتے ہیں اور کبھی کبھی ایسی باتیں بیان کرتے ہیں کہ جوان بزرگواروں کے مقام ومنزلت کو عام لوگوں کے مقام سے بھی نیچے لے آتی ہیں اور یہاں بھی لین دین کا قانون حاکم ہے کیونکہ لوگ رونا چاہتے ہیں اور ذاکرین اور صاحب منبر لوگوں کورلانے کے لئے مجبور ہوتے ہیں چاہے وہ ائمہ کی طرف غلط نسبت دینے سے ہی حاصل ہو۔ ہمیں اس بات سے غفلت نہیں برتنا چاہئے کہ جھوٹ بولنا حرام ہے نیز ائمہ کے بارے میں جھوٹ بولنے کا گناہ زیادہ ہے۔

بعض لوگ کسی علمی صلاحیت کے بغیر ہی اس میدان میں کود پڑے ہیں اور صاحب اختیار بن گئے ہیں اوراسی لئے لوگ ائمہ معصومینؑ کی منزلت کے بارے میں غلط نظریات

یالوگوں کے وظیفہ کے بارے میں غلط باتیں بیان کرتے ہیں اورشفاعت وغیرہ جیسے موضوع کو بیان کرتے ہیں انہوں نے مجلسوں میں ایسی روش اپنا رکھی ہے جو صحیح نہیں ہے ۔میرے نظریہ کے مطابق اس کو صحیح رخ دینے کی اصل ذمہ داری علمائے دین کی ہے۔ علمائے دین کو چاہئے کہ واقعہ کو صحیح انداز سے لوگوں کے سامنے بیان کریں اورانہیں آ گاہ کریں۔انہیں لوگوں سے تقیہ نہیں کرنا چاہئے جس طرح کہ شہید مطہریؒ نے آج سے تیس سال پہلے حماسۂ حسینی جیسی کتاب میں بہت ہی اچھا مواد جمع کیا ہے جب کہ وہ زمانہ آج کے زمانہ سے بہت الگ تھا آپ کے اندر حق گوئی کی شجاعت موجود تھی جب کہ آج تو راستہ بالکل صاف ہے۔

کیونکہ لوگ کھلی ہوئی فکر کے حامل ہیں لہٰذا علماء کا یہ حتمی فریضہ ہے کہ اس مسئلہ کو واضح کریں۔علماء کو عوام زدہ نہ ہونا چاہئے کہ سماج میں جو بھی رسم یا طریقہ رائج ہو جائے اسے قبول کرلیں یا اس کی تائید کردیں،حق کو بیان کرنے میں بعض لوگوں کے ناراض ہونے سے ڈرنا نہیں چاہئے ،ہر عالم کو کہنا چاہئے ،تمام مصنفین کو اپنے فریضہ پر عمل کرنا چاہئے وگر نہ مستقبل بد سے بدتر ہوتا چلا جائے گا۔گذشتہ حکومت کے آخری دور میں کہ جب انقلاب اوج پر تھا ہماری مذہبی محفلیں اس سے بہتر تھیں مجھے یاد ہے کہ اس وقت حکومت کے بارے میں صریحاً نہیں کہا جاسکتا تھا تو انہیں باتوں کو امام حسینؑ کے قیام اوران کے مقصد کے ضمن میں بیان کیا جاتا تھا۔

لیکن آج جب ہم اچھی طرح ان مسائل کو بیان کرسکتے ہیں تو ہم نے اس طریقۂ کار کو چھوڑ دیا ہے اور یہ اپنی پرانی حالت پر پلٹ گیا ہے۔اگر کسی رسم یا کام کو دین کے نام پر انجام دیا جائے تو اسے شرع کے مطابق انجام دینا چاہئے۔ثواب کا کام یہ نہیں ہے کہ

انسان اپنی دلی خواہش کے مطابق اسے انجام دے بلکہ اسے دیکھنا چاہئے کہ اس کی کوئی شرعی دلیل ہے یا نہیں؟ دینی اصول، اور اقدار واہداف کے مطابق ہے یا نہیں۔ لیکن کیا یہ کام ہر ایک انجام دے سکتا ہے؟ یہاں پر بھی یہ کام علماء کو کرنا چاہئے ان پر واجب ہے عزاداری کے طریقہ اس کی روش اور اس کے متن کے بارے میں تحقیق کریں اور یہ دیکھیں کہ یہ بدعتیں کہاں سے آئی ہیں؟ کس مقصد کے لئے ہیں؟ اس کا سماج پر کیا اثر ہے؟ اور اگر خدانخواستہ ان میں کوئی غلط بات ہو تو اس کی اصلاح کریں۔ مخصوصاً وہ پروگرام جو ایران کے ٹی وی سے نشر ہوتے ہیں ان پر بہت زیادہ توجہ ہونا چاہئے اور جن مجلسوں یا لوگوں کی کیسٹیں یا سیڈیاں تیار کی جاتی ہیں وہ معتبر ومشہور اور معروف ہوں۔

حوالے

۱۔قرآن کریم

۲۔وسائل الشیعہ ،حرعاملی،محمد بن حسن،طباعت اول: موسسۃ آل البیت لاحیاء التراث،قم ۱۴۱۰ھ

۳۔نورالثقلین،حویزی،عبداللہ جمعہ،مطبعۃ الحکمۃ ،قم۔

۴۔مجمع البیان،طبرسی،فضل بن حسن،طباعت پنجم: کتابفروشی اسلامیہ،تہران ۱۳۹۵۔

۵۔مکارم الاخلاق،طبرسی،فضل بن حسن،موسسۃ الاعلمی کربلا۔

۶۔الکافی،کلینی،محمد بن یعقوب،طباعت سوم: دارالکتاب الاسلامیۃ،تہران ۱۳۸۸۔

۷۔مستدرک الوسائل،نوری،میرزا حسین طباعت اول: موسسۃ آل البیت لاحیاء التراث،قم ۱۴۰۷ھ

۸۔بحارالانوار،علامہ مجلسی۔

۹۔تفسیر کبیر،فخر رازی۔

ISBN:978-964-439-294-8
9 789644 392948

ALHODA
International Publication & Distribution